تاریخ ملت

ضیا العابدین

Marfat.com

Marfat.com

واقعۂ سخاوت ۱۲۳
ابتدائی زندگی کا واقعہ ۱۲۴
حملہ ملحدین ۱۲۵
التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش 〃
جنگیں ۱۲۶
خلعت عباسیہ ۱۲۷
روحانی مدارس اور اشاعت اسلام ۱۲۸
التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق ۱۲۹
آداب الحرب والشجاعت ۱۳۰
فتوحات ۱۳۱
پہلا دربار 〃
نامور فضلاء و علماء 〃
التمش کے اوصاف حمیدہ ۱۳۲
اولاد ۱۳۳
التمش کے پیر و مرشد 〃
آثار التمش ۱۳۵
قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ماذنہ ۱۳۶
التمش کی عبادت گذاری ۱۴۱
خلافت 〃
حوض شمسی 〃
رضیہ سلطانہ ۱۴۳
تخت نشینی ۱۴۴
سیاست ۱۴۶
ابن بطوطہ کا بیان ۱۴۹
واقعہ شہادت 〃
رضیہ کا چین ۱۵۰
رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب ۱۵۱
رضیہ کا خلق ۱۵۳
علمی مناظرے 〃
مذہب ۱۵۴
ملحد قرامطہ کا استیصال 〃
احوال قرامطہ 〃
علماء کی منزلت ۱۵۵
خواجہ بختیار کاکی کی خدمت میں حاضری ۱۵۶
مجلس قضاۃ ۱۵۷
علمی ترقی 〃
اس کے عہد کے صوفیا 〃
محکمہ احتساب ۱۵۸
عدل و انصاف 〃
رواداری ۱۵۹
علمی ترقی ۱۶۰
مجلس علماء ۱۶۱

Marfat.com

مقبوؤ التمش	۱۶۲	محمد سلطان کی تہذیب	۱۸۰
سلطان معزالدین بہرام بن التمش	۱۶۳	محمد سلطان کی بیاض	
علاؤالدین مسعود شاہ	۱۶۴	بزرگوں کا احترام	
ناصرالدین محمود شاہ	۱۶۶	علماء و مشائخ	
مذہبیت	۱۶۸	حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ	
ناصرالدین محمود شاہ کے خاص خاص واقعات	۱۶۹	فراست و دانائی	
غیاث الدین بلبن	۱۷۲	ناصرالدین شاہ کی کامیابی کا راز	
بلبن کی ترقی	۱۷۳	مغلوں کے حملہ کا اندفاع	۱۸۴
بلبن کی فرض شناسی	"	باغیوں کی سرکوبی	"
انتظام سلطنت	۱۷۴	قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر	۱۸۵
فیاضی و دریادلی	"	ترک جاگیرداروں کا انتظام	۱۸۶
عدل پروری	۱۷۵	بنگال کی مہم	۱۸۷
محکمہ جاسوسی	۱۷۶	بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی	"
فوج کی تہذیب	۱۷۷	بلبن کا انتقال	۱۸۹
رحم وکرم	"	معزالدین کیقباد	۱۹۰
باغیوں کی سرکوبی	۱۷۸	وزیر نظام الدین کا قتل	۱۹۱
شکار کا شوق	"	خاندان خلجی جلال الدین فیروز شاہ	۱۹۲
سطوت و جبروت	۱۷۹	جلال الدین کی سلامت طبع	۱۹۳
خودداری	"	حلم وکرم	۱۹۴
بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل	"	علم پروری	"
		جلال کی شاعری	۱۹۵

Marfat.com

ون ریزی سے احتراز	۱۹۶	تعلقات ازدواج کی ممانعت	۲۱۶
ی وآشتی پسندی	۱۹۷	مالگذاری کے اصول	//
عفو وکرم کی مثال	۱۹۸	مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر	۲۱۷
ن پسندی	۲۰۰	چیزوں کے نرخ	۲۱۹
سیدی مولا کا قتل	۲۰۱	تحقیق حالات کی کیفیت	۲۲۳
صفات	۲۰۳	فوج کی تنخواہ	//
علاؤالدین کی سرکشی	//	عارض ممالک کی خدمات	۲۲۴
جلال الدین کا قتل	۲۰۶	علماء کی قدردانی	//
سلطان علاؤالدین خلجی	۲۰۷	عہد علائی کی خصوصیات	۲۲۷
علاؤالدین کی بیدار مغزی	۲۰۸	افسانوں کی حقیقت	۲۲۸
سلطنت کی رونق	۲۰۸	سلطان شہاب الدین بن علاؤالدین خلجی	۲۳۱
داد و دہش	//		
تخت نشینی	۲۰۹	سلطان قطب الدین مبارک شاہ	//
عزم وثبات	۲۱۰	علاؤالدین خلجی	//
مغلوں کی شکست	۲۱۱	ناصر الدین خسرو شاہ	//
مشاورت فی الامر	//	تغلقیہ خاندان غیاث الدین تغلق	۲۳۴
نئے مسلک کے اجزاء اور فتح عالم کا خیال	//	سلطان محمد تغلق شاہ	۲۴۳
علاؤالدین کی حق پسندی	۲۱۳	کارخانہ جات	۲۴۷
محکمہ جاسوسی کا قیام	۲۱۴	نائب وارکان سلطنت	۲۴۸
سڑکوں کی حفاظت	۲۱۵	ارکان عدالت عالیہ	//
میخواری کا سد باب	//	معمولات	۲۴۹

Marfat.com

اخلاقی زندگی	۲۵۰	نہریں	۲۷۶
انتظام برید	"	مدارس	۲۸۱
سکہ اور اوزان	۲۵۱	لاٹیں	۲۸۲
دربار	۲۵۳	دیوان خیرات	۲۸۳
جلوس عید	۲۵۴	دارالترجمہ وکتب خانہ	۲۸۴
فتوحات	۲۵۶	فنون کی ترویج	۲۸۵
بغاوت	۲۵۷	علما وفضلاء	"
اسباب ناکامی	"	فتوحات	۲۸۸
نیا دارالحکومت	۲۵۹	رحم دلی	۲۸۹
وفات	۲۶۱	وفات	۲۹۱
سلطان فیروز شاہ	۲۶۳	فیروز شاہ کے عہد میں طب کو فروغ	۲۹۲
اخلاقی زندگی	۲۶۴		
ترقی زراعت	۲۶۹	تغلق شاہ ثانی	۲۹۵
آمدنی	۲۷۰	سید خاندان	۳۰۱
بیروزگاری کا انسداد	۲۷۱	لودھی خاندان	۳۱۲
کارخانہ جات	"	سلطان سکندر بن سلطان سکندر	۳۱۸
سکہ	۲۷۲		
انتظام آب پاشی	۲۷۴	سلطان ابراہیم	۳۳۶
نئے شہروں کی بنا	۲۷۵	عہد سکندر لودھی کا دور علمی	۳۳۸
خانقاہیں اور سرائیں	"	علمائے عصر	۳۴۰

Marfat.com

تاریخ ہند

شط العرب کی وادی سے ہی بابل و نینوا متعلق تھے۔ یہیں اولین تہذیب و تمدن کے آئین مرتب ہوئے اور پہلی شہنشاہی قائم ہوئی۔ اس کے بعد مصر و ہند کی تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ تاریخی حیثیت سے یہ نمایاں حقیقت ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ رہی ہے جو اپنی تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے ایک درجہ اقدم قدیمہ میں رہتی ہوگی چنانچہ حالات کا بڑا حصہ پردہ خفا میں رہا ہے مسلمانوں نے گو اپنے دور میں بہت کچھ قدیم حالات جمع کر دیئے مگر یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ مغرب جسے عہد حاضر میں اپنی ترقی علم و حکمت پہ ناز ہے اور جو اپنی تحقیق و تنقید کے زعم باطل پر ہر غیر معلوم شئے کو احاطہ علم میں لے آنے کا مدعی ہے، اس وقت تک ہندوستان کو اس نے زبان نہ سمجھ سکا کہ وہ ایک غیر شائستہ آبادی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام مشرق جہل و تاریکی کا گہوارہ ہے۔

اہل مغرب کو یہاں سوائے عجوبہ پرستی کے کچھ نظر نہ آیا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ لکھی بھی تو اپنے ملک کے ناول نویس اور فسانہ نگاروں

Marfat.com

اور بے تکے سفرناموں کی وساطت سے لکھی۔ یہاں کی تاریخوں سے جو کچھ اخذ کیا وہ مصائب تھے مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ پر جو نظر ڈالی وہ صحت سے دور اور مسلمانوں کے عہد کو پیش کیا تو بھیانک صورت میں۔ یہاں کی ہندو مسلم تہذیب پر تمسخر کیا گیا۔ یہاں کے حکمراں طبقہ کو خونخوار ثابت کیا کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے جذبات سفاکی و بیرحمی سے لبریز تھے۔ ان کے چاروں طرف تملق و خوشامد کرنے والے درباری تھے۔ رعایا کو تباہ کرتے خزانہ بھرتے تھے۔ لہو و لعب سیر و تفریح یا حرم کی اندرونی زندگی پر بے دریغ دولت صرف کرتے تھے۔ درباریوں سے اپنی زمین بوسی اور جبہ سائی کراتے تھے وہ اگر شراب کے نشہ سے چونک پڑتے تھے تو سوائے جور و ظلم کے ان کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ نہ ان کے پاس دماغ تھا اور نہ دل، نہ وہ سوچ سکتے تھے۔ اس کے سوا روحانیت سے انہیں سروکار ہی نہ تھا۔ غرضکہ یہاں کے سلاطین ارتقاء ذہنی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھتے تھے کہ علوم و فنون کی طرف توجہ دیتے۔ نہ اون کو ملک کی فلاح و بہبود کا خیال تھا۔ الغرض وہ جہل و غرور، بے دردی و بے رحمی کے زبردست مجسمہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن کیا وہ شخص جس نے صحیح معنی میں ہندوستان کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے اس خاکہ میں کسی جگہ اصلی خط و خال کی جھلک پا سکتا ہے اور کیا یورپ کا عدم علم یا اس کا تعصب ایک حقیقت اور صداقت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ صداقت شعاری کا یہ پہلو

Marfat.com

نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں کے سلاطین اگرچہ اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ نہ تھے، نہ ان کی خلفائے راشدین کی سی زندگی تھی اور ان میں بعض جفا پیشہ بھی تھے تاہم وہ مجموعی طور پر اصول معدلت پر کار بند ضرور تھے اور کلیتہً مطلق العنان نہ تھے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ

"حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی"

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے، یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت، جوتش مشہور ہیں۔ رشی منی اپنی راہبانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو ان سے کچھ باتیں حاصل کیں۔ مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصوّر، دختر کشی، ستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم اور اخلاقی قدریں، عام تعلیم مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے رہنے سہنے، کھانے پینے، لباس، تواضع و مدارات اور تہذیب کے دوسرے پہلوؤں میں تکلف و تجمل و آسائش کی نئی نئی ایجادوں کی بدولت یہاں کے تمدن کی سادہ تصویر میں نہایت دلکش اور دیرپا رنگ بھرے۔ سیاح ابن حقل اور شاہ بابر کی تحریرات سامنے ہیں۔

سلاطین ہند کی تاریخ کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ انہوں نے ہند پر قبضہ کیا فتوحات کے دور میں یہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچی مگر اس کی تلافی ان میں رہ کر بس کر بہت کچھ کی۔ مقامی حکمرانوں میں انتشار تھا جس کو اپنے زیر نگیں لاکر ملکی وحدت قائم کی۔ تہذیبی معیار بلند کیا اس بداہت سے انکار سفاہت ہے۔

ہمارا موضوع اس جگہ صرف سلاطین ہند کے تاریخی واقعات پیش کرنا ہیں اور سلاطین کی سیرت اور ان کی ملکی خدمات اور رواداری تہذیبی و علمی ترقی میں ان کے مساعی کیا تھے وہ دکھانا ہیں۔ فتوحات کے ساتھ مفتوحہ قوم اور رعایا سے کیسا ان کا سلوک رہا اور ان کو کس ادنیٰ درجہ کا پایا تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ ہندوستان میں تعلیم صرف برہمن طبقہ کے لئے محدود تھی مگر سلاطین نے ہی عوام میں چاہے چھتری ہو یا راج پوت یا شودر ہر ایک کے لئے تعلیم پانے کی راہیں کھول دیں جس کی نظیر کائستوں کا وجود ہے۔ جنہوں نے فارس میں وہ قابلیت کے جوہر دکھائے جس کی مثال کم ملے گی۔ جو ہند کے باشندے فاتحین کے ہاتھوں لگے وہ اسلامی ممالک میں پہونچے ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی کہ وہ علوم دینی کے امام کہلائے۔ آگے یہ تمام تفصیلات ملاحظہ سے گذریں گی۔

انتظام اللہ شہابی
اکبرآبادی

Marfat.com

عربوں کی آمد کے برکات

اسلام کے دور اول میں عہد حضرت عمر میں ایک مہم آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے اس کے کچھ عرصہ بعد عرب تاجروں کے قافلے اور مبلغ ہندوستان آئے۔ مالابار اور کالی کٹ، سراندیپ وغیرہ کی سرزمین نے خیر مقدم کیا یہاں بس گئے۔ ان کی سادگی خلوص اور بلند اخلاقی نے ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ دیانت و امانت اور عمل و کردار کی عمدگی کا شہرہ ہندو راجاؤں تک پہونچا ایک راجہ نے بھی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرا کر سنا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان علاقوں میں اسلامی خیالات اور تہذیب و مدنیت کی بنا پڑی۔ اس سے بڑھکر یہاں کی اقوام میں فہم و ادراک کی وسعت اور علوم و فنون سے لگاؤ پیدا ہونے لگا۔ مسلمانوں سے پہلے علم کے ٹھیکہ دار برہمن تھے۔ عربوں نے بلا امتیاز ذات پات تحصیل علم اور ترقی فنون کا ذوق پیدا کر دیا۔ جو لوگ یہاں کے مسلمان ہوئے وہ علم کے ایسے متوالے ہوئے کہ وطن کو چھوڑ علمی مرکزوں میں پہونچے۔ بہت سے وہ تھے جو عرب وطن جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تعلیم و تربیت مثل اولاد کے کی مورخین کوتاہ بیں ان کو غلام قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ عربوں نے نئی پود کو لے جا کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہاں بے نام و نشان رہتے تھے مگر آج

تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ رجال کی کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں۔

ابو معشر نجیح السندھی گو سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ عربوں کے ساتھ سندھ سے عرب گئے۔ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ فن مغازی وسیر میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الفن کہلائے۔ صدہا شاگرد بنا ڈالے۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی تو خلیفہ ہارون الرشید نے اس نومسلم سندھی کی نماز جنازہ پڑھی ع۱

ان کے صاحبزادے ابو عبدالملک محمد تھے۔ ممتاز اہل علم میں شمار تھا خلیفہ مہدی نے مدینہ سے بغداد بلا لیا ۲۴۴ھ میں فوت ہوئے ع۲

امام اوزاعی جو ائمہ اسلام سے ہیں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔
"ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا۔
۱۵۶ھ میں وفات پائی"

ابو محمد خلف بن سالم سندھی متوفی ۲۳۱ھ ابو العباس فضل بن سکین بن سمنت سندھی، ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی۔ ابو العطا سندھی ادیب ایسے کثیر التعداد سندھی تھے جو عربوں میں رہ کر ممتاز علماء میں شمار کئے گئے۔ ایسے ہی یہاں کے لوگ فن ادب میں بھی صاحب کمال تھے۔ شاعری میں بھی اپنے استادوں کے ہم پایہ بن گئے۔

چنانچہ ابو تمام نے ابو عطا کے حماسہ میں عربی اشعار نقل کئے ہیں

ع۱ تذکرہ الحفاظ جلد۱ صفحہ ۲۲۴ ٭ ع۲ کتاب الانساب سمعانی صفحہ ۳۱۴ ٭

Marfat.com

سندھی بن شاہک بغداد پہونچے اور وہاں رہ پڑے۔ ان کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا جو عربی کا مشہور شاعر تھا۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ السندھی ایک سندھی غلام تھے۔ تعلیم پاکر الفصیتہ المتکلم مشہور ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملکی مذہب ترک کر کے آغوش اسلام میں آکر صاحب فضل و کمال بن گئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عربوں کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر بھی بڑا اثر پڑا کہ دیکھا دیکھی علم سے ذوق رکھنے لگے اور سندھ سے بغداد گئے اور خلفاء بنی عباس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جو علمی سرمایہ لیکر گئے تھے اس کی قدردانی کی۔ فہرست ابن ندیم میں ہند کی ان علمی یادگاروں کا ذکر محفوظ ہے۔ مگر ہندو بھائیوں کی کتابوں سے وہ فراموش ہیں۔

غرضکہ عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی روایات کو برقرار رکھا۔ اب ہم عربوں کی مہموں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

عہد فاروقی میں سندھ پر پہلی مہم

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ۱۵ھ میں خلیفہ راشد عمر بن الخطابؓ نے عثمان بن ابو العاصی ثقفی کو بحرین و عمان کا والی بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا عمان پہنچ کر ایک لشکر تانہ کی جانب بھیجا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لکھا اے

تفیف کے ناتجربہ کار نوجوان تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا بے شک
میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے
ہی آدمی لے لیتا اور عثمان نے حکم کو بروص کی جانب بھی روانہ کیا اور اپنے
دوسرے بھائی مغیرہ بن العاصی کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا۔ دشمن سے
اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے فتح حاصل کی۔ اور کامرانی سے واپس آیا۔[۱]

عہدِ عثمانی میں سندھ پر مہم

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ
بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا اور اس کے پاس یہ حکم لکھا کہ وہ
سرحدِ ہند کی جانب کسی ایسے شخص کو بھیجے جو وہاں کے صحیح حالات
معلوم کرے اور واپس آکر خلیفہ کو خبر دے تو عبداللہ نے حکیم بن جبلہ
عبدی کو روانہ کیا۔ جب حکیم ہند سے واپس گیا، تو اُسے حضرت عثمان رض
کے پاس عبداللہ نے بھیج دیا۔ حضرت عثمان رض نے اس سے ہندوستان
کے شہروں کا حال دریافت کیا تو حکیم نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین میں
نے وہاں کے حالات سے بہت اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہے اور
خوب تحقیقات کی اور وہاں کے لوگوں کو آزمایا ہے۔ آپ نے فرمایا تفصیلی
حالات بیان کر۔ حکیم نے کہا ہندوستان میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں ردی
ہیں اور وہاں کے لیٹرے دلیر ہیں اگر لشکر کم ہو تو تباہ ہو جائے اور اگر

۱۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۴

زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے فرمایا تو حالات بیان کرتا ہے یا تک بندی کرتا ہے۔ کہا نہیں حضور صحیح حالات بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہاں کسی کو لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا۔

عہدِ علی مرتضیٰ میں سندھ پر مہم

جب ۳۸ھ کا آخر اور ۳۹ھ کا آغاز ہوا تو حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں حارث بن مرۃ عبدی بہ ثبت ثواب رضا کارانہ طور پر حضرت علیؓ کی اجازت سے سرحد کی جانب روانہ ہوا چنانچہ اس نے فتح و ظفر حاصل کی اور بہت کچھ مال غنیمت اور قیدی اس کے ہاتھ آئے۔ چنانچہ اس نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے پھر علاقہ قیقان (قلات) کی طرف بڑھا وہاں مقابلہ سخت رہا۔ اس میں حارث اور اس کے تمام ساتھی بجز چند آدمیوں کے قتل ہو گئے۔ ۴۲ھ میں یہ واقعہ ہوا (قیقان خراسان کے متصل سندھ کے مشہور شہروں میں سے ہے اب پاکستان میں ہے)۔

عہد امیر معاویہ میں سندھ پر مہم

حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۴۴ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کیا اور بنہ اور الاہواز تک آیا۔ یہ دونوں

Marfat.com

شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں یہاں دشمن اس کے مقابل ہوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی مگر وہ ناکام رہے بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دُم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انہوں نے مہلب سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے:۔ ؎

(ترجمہ) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں
ازدیوں پر شب خون مارا گیا۔ وہ مہلب کے لشکر کے بہترین
سپاہی تھے

عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا اور کہا جاتا ہے کہ خود معاویہ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر عبداللہ امیر معاویہ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے اور کچھ عرصہ ان کے پاس قیام کیا پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے:۔ ؎

"ابن سوار بہرحال مہمانی کی آگ کو روشن کرنے والا اور بھوک
پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔"

Marfat.com

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا۔ اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مطبخ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتا اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی ایک رات اس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے تو اس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

زیاد بن ابی سفیان نے امیر معاویہ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدانِ جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی پر طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور مکران کو بزور شمشیر فتح کیا۔ اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنا دیا اور وہیں قیام اختیار کیا اور تمام بلاد سندھ کا نظم و نسق قائم کیا اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:۔ ؎

"میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی ہے جن کو وہ مہر بھی نہیں پہنچاتے یقیناً آسان ہو گئی مجھ پر ابن محبق کی قسم جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے سنہری زیورات کو بلند کیا نمایاں کیا۔"

Marfat.com

یعنی ان عورتوں کی حسین گردنوں اور زیورات کو دیکھ کر آخر دم تک لڑنا اور قسم کو پورا کرنا ہمارے لئے آسان ہو گیا کہ اگر ہم بھاگ گئے تو یہ دشمن کے ہاتھ پڑ یں گی۔ عرب عورتوں کو میدانِ جنگ میں ہمراہ رکھتے تھے جس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس شخص نے مکران فتح کیا وہ حکیم ابن جبلہ عبدی تھا پھر زیادہ نے سرحد سندھ پر قبیلہ ازدمن سے راشد بن عمر کو گورنر بنایا۔ چنانچہ راشد مکران آیا پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح پائی پھر قوم میدسندھ کے بحری قزاقوں پر حملہ کیا اور اسی حملہ میں قتل ہو گیا اور سنان بن سلمہ نے فوج کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر زیاد نے اس کو سرحد ہند کا گورنر بنا دیا۔ دو سال تک یہاں قیام کیا اعشی ہمدان نے مکران کے بارے میں کہا ہے تو مکران جاتا ہے بے شک وہاں جانا اور آنا بہت بعید یعنی دشوار ہے مکران میرا مقصد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی لڑائی ہے اور نہ تجارت مجھ سے وہاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں مگر میں وہاں گیا نہیں تاہم اس کے ذکر سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ حالات یہ ہیں کہ زیادہ آدمی وہاں بھوکے مر جائیں اور تھوڑے آدمی وہاں مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ عباد بن زیاد نے سرحد سندھ پر سجستان کی جانب سے حملہ کیا۔ چنانچہ سنارو زآیا پھر وہاں سے حوی کھر پر روز بار تک اور علاقہ سیلستان میں ہندمند تک قبضہ کر لیا۔ پھر کش میں اترا اور وہاں سے ریگستان کو طے کر کے قندھار آیا۔ اہلِ قندھار سے لڑا اور ان کو

شکست دی اور میدان جنگ سے بھگا دیا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد قندھار فتح کر لیا۔ عباد نے اہلِ قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اس نے اسی جیسی ٹوپیاں پہنیں اس وجہ سے ان کا نام عبادیہ رکھا گیا ابن مفرغ نے کہا:۔ ؎

"گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے پیروں کے نشان ہیں اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں پڑی ہیں کاش کہ وہ دفن کئے جاتے قندھار میں اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہوگی اس کی خبریں اٹکل سے بیان کی جائیں گی یعنی اتنی دور جا کر زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا بہت دشوار ہے۔"

پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابوالاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا اس نے بوقان اور قیقان پر حملہ کیا مسلمانوں نے فتح پائی مالِ غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے ان کے شہروں میں پھیلا دیئے اور قصدار کو فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہلِ قصدار نے عہد شکنی کی تھی اس لئے دوبارہ فتح کیا قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی۔ اس پر شاعر کہتا ہے۔ ؎

"منذر قصدار میں اترا اور وہیں قبر میں رہ گیا۔ واپس جانے والوں کے ساتھ واپس نہیں گیا۔ قصدار اور اس کے انگوروں کے

باغ بھی کس قدر خوش نصیب ہیں دین و دنیا کے کیسے اچھے نوجوانوں کو انہوں نے اپنے آغوش میں چھپا لیا"

پھر عبیداللہ بن زیاد نے ابن قری باہلی کو والی بنایا اور سرحد ہند پر روانہ کیا۔ اللہ پاک نے بلاد سندھ اس کے ہاتھ پر فتح کئے اور اس نے وہاں بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح و ظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالا مال ہوا۔ مورخین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حرّی اس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ حرّی بن حرّی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

"اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حرّی کی فوجیں لوٹ کا مال لے کر واپس نہ آئیں"

عہدِ عبدالملک

جب حجاج بن الحکم ابن ابی عقیل ثقفی عبدالملک کی جانب سے عراق کا والی ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اسکی سرحد ہند کا گورنر بنایا۔ جب سعید مکران پہنچا تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی اس کے مقابلے پر نکلے۔ لڑائی ہوئی سعید قتل ہو گیا اور علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عاف بن قضاعہ ہے۔ قضاعہ قبیلہ جرم کا جدِّ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تمیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے

Marfat.com

یہاں آکر جنگ کی اور مالِ غنیمت حاصل کیا اور قندابیل کے بہت سے دوسروں حصوں کو بھی فتح کیا پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پاگیا۔ شاعر کہتا ہے ۔

"جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہوا اسی کا تذکرہ تجھے

زیب دیتا ہے۔ کیونکہ تو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر

دکھلائے ۔"

پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرہ یاقوت سرندیپ کے بادشاہ نے حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بطور تحفہ بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئی تھیں اور ان کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہوگیا تھا۔ اور اس نے ان کے ذریعہ حجاج سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں سفر کر رہی تھیں، اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا، اور کشتی کو معہ سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا ان میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا حجاج کہہ کر آواز دی۔ حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے بے ساختہ کہا یا لبیک ہاں میں آیا اور فوراً سندھ کے راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو تو دریائی ڈاکوؤں نے پکڑا ہے

Marfat.com

جن پر میرا قابو نہیں۔ آپ ہی ان کی خبر لیں۔ حجاج یہ سن کر برافروختہ ہوگیا اور اس نے عبیداللہ بن بنہان کو معہ مختصر سپاہ کے دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ عبیداللہ اس مہم میں قتل ہوگیا پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو جو حاکم عمان تھا حکم لکھا کہ وہ دیبل روانہ ہوجائے لیکن جب وہ جزیرہ یاقوت پہنچا[1] اور دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس کا گھوڑا بدکا اور اس کو گرادیا۔ دشمن نے اس کو گھیر لیا اور مار ڈالا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا۔ ادھر عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہوا اور ولید بیٹھا۔

عہدِ ولید بن عبدالملک

حجاج نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لیکر اپنے چچا زاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت شیراز میں تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ رے چلا جائے اور فوج لے کر سندھ پر حملہ آور ہو۔ محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی کو سردار کیا۔ چھ ہزار سپاہی شام کے لشکر سے اور ان کے علاوہ بہت سے کارآزمودہ لوگ اس کے لشکر کے ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کہ سُتلی اور سوئی بھی اس کے لئے مہیا کی گئی۔ اور دھنی ہوئی روئی لی اور پرانے انگوری سرکہ میں اسے ڈبو دیا اور پھر سایہ میں خشک کیا اور محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب

---

[1] جزیرہ یاقوت اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں کی عورتیں خوبصورت ہوتی تھیں (فتوح البلدان)

تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے تو اس روئی کو پانی میں بھگو لینا پھر اس سے روٹی لگا کر کھانا سرکہ کا کام دے گا۔ عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے۔

محمد بن قاسم شیراز سے چل کر مکران پہنچا۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر قنز پور آیا۔ اس کو فتح کیا۔ پھر ارمائیل پہنچا اسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہارون بن ذراع محمد بن قاسم سے آملا اور لشکر میں شامل ہو گیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوا مگر ارمابیل کے قریب ہی اس کا انتقال ہو گیا اور قنبل میں دفن کر دیا گیا۔ پھر محمد بن قاسم ارمائیل سے روانہ ہوا۔ جہم بن زحر جعفی اس کے ہمراہ تھا۔ جمعہ کے روز دیبل پہنچے اور وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر براہ سمندر فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیبل پر اترتے ہی لشکر گاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیے اور ان پر پھریرے اڑا دیے اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا۔ عروس (عروسک) نامی منجنیق نصب کی گئی۔ اس منجنیق میں پانچسو آدمی کام کرتے تھے۔

دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا اس بدھ کے مندر کے برج پر ایک لمبی بلی لگی ہوئی تھی اس بلی پر ایک سرخ جھنڈا تھا یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تو تمام شہر کو گھیر لیتا اور گھومنے لگتا۔

انتظام برید

یہ تیسرے روز حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے اور محمد بن قاسم کے خطوط اس جانب کے

Marfat.com

حالات اور طریق کار کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لئے اسکے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ "جہاں اترو وہاں گرد خندق کھود لیا کرو۔ اور اکثر شب بیدار رہو۔ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعا کرو اور ذکر حق کرتے رہو۔ عروس نامی منجنیق کو مندر کی سیدھ میں نصب کرو اور اس کا ایک پایہ جو مشرق کی جانب کا ہو چھوٹا کرو تاکہ دوسری جانب بڑا ہو جائے۔ اور پتھر بہت اونچا پھینکا جا سکے۔ اور عروس کے چلانے والے کو بلاؤ اور حکم دو کہ اس بلی کو تاک کر نشانہ بنائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔[1]

چنانچہ منجنیق کے چلانے والے نے بلی پر نشانہ مارا اور اس کو توڑ دیا کفار اس سے بھڑک اٹھے۔ پھر محمد بن قاسم نے ان پر چڑھائی کر دی۔ وہ بھی جوش میں آکر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مقابلہ ہوا، محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ میدان سے بھگا دیا اور انہوں نے قلعہ میں جا کر دم لیا۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیوں کے لگا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا دی گئیں، اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ سب سے پہلے چڑھنے والا اہل کوفہ میں سے قبیلہ مراد کا ایک شخص تھا۔

۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزور شمشیر فتح ہو گیا۔ تین روز تک برابر

---

[1] تاریخ ہندوستان پہلی جلد صفحہ ۲۸۰

Marfat.com

مدبن قاسم مسلح اور جنگجو اہل قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے
اگ گیا۔

محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم
یں۔ ایک مسجد تعمیر کی۔ چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور دیبل کو
سا کر اسلامیہ کے لئے ایک فوجی مرکز بنا دیا۔ اور اس کے بعد ہارون
ابو خالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں
قتل کر دیا گیا۔

مورخین نے بیان کیا کہ محمد بن قاسم دیبل سے نیرون آیا۔
ل نیرون نے اس سے قبل اپنے دو سادھو حجاج کے پاس بھیجے تھے
صلح کر لی تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم کے لئے رسد مہیا کی
ر اس کو شہر میں لے گئے سالانہ زر صلح بھی ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس
ہر گذرتا تھا اسی کو فتح کر لیتا تھا حتیٰ کہ دریائے سندھ کے ورے جو
ہر تھی اسے عبور کیا۔ یہاں پہنچ کر سربیدس کے ساد ھو آئے اور
اشندگان سربیدس کی جانب سے صلح کر لی اور ان پر خراج مقرر
لیا اور وہاں سے سہبان کی جانب روانہ ہوا اور اس کو فتح کیا۔ پھر
دریائے سندھ کی جانب رخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اترا۔ داہر
کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی زبردست
تیاریاں شروع کیں۔

محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب ثقفی کو سوار فوجی دستوں کے ساتھ

Marfat.com

سدوسان (سیوستان) بھیجا۔ اہلِ سدوسان نے امن اور صلح طلب کی
سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کی
خدمت انجام دی چنانچہ محمد بن مصعب نے ان کو امن وامان دیا
اور ان پر خراج مقرر کیا اور بغرض اطمینان ان سے کچھ معزز آدمی بطور
ضمانت طلب کئے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے
ساتھ فوج میں شامل ہو گئے اور سدوسان پر ایک شخص کو حاکم مقرر
کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیر کی
کیونکہ داہر نے سارے پل اٹھا لئے تھے۔ چنانچہ راسل کے علاقہ کے
پاس خود پل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ راسل ہندوستان
علاقہ قصہ کچھ کا بادشاہ تھا۔

داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل
بے پرواہ تھا آخر کار محمد بن قاسم اور عساکر اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا
داہر ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ اس کے چاروں طرف
تھا۔ ٹھاکر راجپوت بھی بہت بڑی تعداد میں اس کے ہمراہ تھے۔ دونوں
فریق ایسی سخت لڑائی لڑے کہ اس سے پہلے ایسی لڑائی کبھی نہیں سنی گئی تھی
یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہو گیا اور خوب جان توڑ کر لڑا۔ لڑتے لڑتے
شام کے وقت ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ کو قتل ہو گیا۔ مدائنی کی
روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک
شخص تھا۔ اس نے اس موقع پر یہ شعر کہے :۔

Marfat.com

"فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں کہ بیشک
میں نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں دشمنوں کی سفوں کے
پرے کے پرے توڑ دیئے حتیٰ کہ تلوار لے کر خاص ان کے بادشاہ
کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ بغیر تکیے کے رخسارو
کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیا۔

ہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروص بھروچ میں بنا ہوا تھا، اور بدیلی
ی طغہ کا مجسمہ قند میں ہے اور اس کی قبر دیبل میں ہے۔ علی بن محمد
دائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالفرج نے بیان کیا کہ جب
ہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام بلاد سندھ پر غالب آگیا۔ ابن کلبی
نے بیان کیا کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حسن
ائی ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راور کو بزور شمشیر فتح کیا۔ قلعہ
اور میں داہر کی بیوی پناہ گزیں تھی اس کو خوف ہوا کہ وہ پکڑی نہ جائے
لہٰذا اس نے خود کو مع اپنی لونڈیوں اور تمام مال و متاع کے جلا ڈالا
تی ہو گئی [1]۔ پھر محمد بن قاسم پرانے برہمن آباد آیا۔ یہ منصورہ سے دو
فرسخ ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی
جگہ جھاڑیاں تھیں۔ داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمن آباد میں تھی۔
لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم سے سخت جنگ کی۔ بالآخر محمد بن قاسم نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۴

Marfat.com

برہمن آباد کو بزور شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار فوجی سپاہیوں کو قتل کیا اور
جاتا ہے کہ چھبیس ہزار ۔ اور اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا ۔ محمد
قاسم برہمن آباد سے راور اور بغرور کے قصد سے روانہ ہوا ۔ راستہ میں
اہل ساوندری آ گر ملے ، انہوں نے امان کی درخواست کی محمد بن قا
نے ان کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور رہبری کی ان
شرط کی یعنی جس وقت عساکر اسلامیہ اس طرف سے گذریں تو ان کی ر
کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی رہبری کرنا ان کے ذمہ
اہل ساوندری آج کل مسلمان ہیں ۔ پھر بسمد کی طرف بڑھا اہل بسم
نے بھی اہل ساوندری کی طرح ان ہی شرائط پر صلح کی ۔ محمد بن قاسم بڑھتے
بڑھتے راور تک پہنچ گیا یہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے او
ایک پہاڑی پر واقع ہے چند ماہ تک اہل راور کا محاصرہ جاری رہا
آخر کار اس شرط پر بطور صلح فتح کیا کہ محمد بن قاسم نہ تو ان کو قتل کرے گا
اور نہ ان کے مندر سے تعرض کرے گا ۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ بدھ مذہ
کا عبادت خانہ ہے بالکل اسی طرح جیسے عیسائیوں کے گرجے یہودیو
کے کنیسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے ۔ اہل راور پر خراج مقرر کیا
اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکہ سکھر کی جانب روانہ ہوا ۔ یہ در
بیاس کے ورے ایک شہر ہے ۔ محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا پھ
دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا ۔ اہل ملتان نے اس سے مقابلہ کیا
سخت لڑائی ہوئی ۔ زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہ

Marfat.com

دکھلائے مشرکین کو میدانِ جنگ میں شکست ہوئی تو بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔

محمد بن قاسم نے اہل ملتان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ بہت طویل ہو گیا مسلمانوں کے توشے سامانِ خورو نوش ختم ہو گئے جب کچھ نہ رہا تو گدھے ذبح کر کے کھا گئے۔ آخر کار ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہلِ ملتان جو پانی پیتے تھے اس کے داخل ہونے کی جگہ راستہ سے آگاہ کیا۔ یہ پانی نہر بسمد سے آتا ہے اور شہر کے اندر بڑے حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کو تلاح "تلاؤ" کہتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستے کو پاٹ کر بند کر دیا۔ جب وہ پیاسے مرنے لگے تو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا اور بدھ مندر کے پجاری جو چھ ہزار تھے گرفتار کر لئے اور بہت سا سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہ تمام اموالِ غنیمت ایک کوٹھڑی میں جمع کئے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی۔ اس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہوا تھا۔ تمام اموال جو اس میں امانت رکھے جاتے سب اسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے اسی لئے ملتان کا نام فرج بیت الذہب سونے کی کوٹھڑی کی سرحد پڑ گیا۔ فرج بمعنی سرحد ملتان کا بدھ مندر اتنا بڑا مندر تھا کہ اس کے لئے اموال کے تحفے لائے جاتے تھے منتیں مانی جاتی تھیں اہلِ سندھ اس کے حج کے لئے آتے تھے طواف کرتے تھے سر اور ڈاڑھیاں

Marfat.com

اس کے پاس منڈلاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بت اس کے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مورخین نے کہا ہے کہ حجاج نے اس جنگ کے آمد و خرچ کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ ہزار چھ کروڑ درہم محمد بن قاسم پر خرچ کئے اور بیس اور ستلو ہزار دو ہزار بارہ کروڑ اس کو وصول ہوئے تو اس نے کہا ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا۔ اور ساٹھ ہزار چھ کروڑ اور داہر کا سر نفع میں رہا۔

۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا تو محمد بن قاسم کے پاس اس کی وفات کی خبر آئی لہذا ملتان ہی سے راوا اور بغرور کی جانب واپس چلا ان دونوں مقاموں کو پہلے فتح کر لیا تھا۔ یہاں آ کر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا انہوں نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی۔ یہ سرست آج کل بصرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے۔ یہاں کے باشندے میدا بحری قزاق ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا تو دوہر لپسر داہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی اور دوہر بھاگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا۔ اہل شہر نے ہتھیار ڈال دئے۔ محمد بن قاسم نے حسب دستور مقاتلین کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

Marfat.com

"ہم نے داہر اور دوہر دونوں کو قتل کر ڈالا در انحالیکہ سواروں
کے گروہ کے گروہ ہلاک ہو رہے تھے"

۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبد الملک نے وفات پائی اور سلیمان بن عبد الملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبد الرحمٰن کو عراق کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید ابن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ پر تو یزید نے محمد بن قاسم کو معاویہ بن مہلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا علہ تو اسوقت محمد بن قاسم نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا ؎

"لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا۔ مگر افسوس انہوں نے لڑائی کے دن
اور سرحد کے استحکام کے لئے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو
ضائع کیا"

اہل ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اس کا مجسمہ بنایا۔ صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت محمد نے یہ شعر پڑھے ؎

"اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل دست
بزنجیر طوق در گلو ہوں تو اس پر افسوس نہیں کیونکہ میں نے بہت سے
نوجوان سواروں کو اپنی ہیبت سے خوفزدہ کر دیا ہے اور کتنے ہی
اپنے ہمسروں کو میدانِ جنگ میں مقتول چھوڑ دیا ہے"

اور یہ اشعار پڑھے ؎

علہ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۶۶

Marfat.com

"اگر میں مقابلہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتا تو بہت سی عورتیں اور
مرد جو لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے تھے وہ پامال کر دیئے جاتے اور
نہ سکسکی گھوڑے ہمارے علاقہ میں داخل ہوتے اور نہ کوئی عکی
مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں مزونی غلام کا تابع ہوتا اے شرفا کو
تباہ کرنے والے زمانہ تیرا برا ہو"

صالح بن عبدالرحمٰن نے خاندان ابو عقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا۔ [ع۹] آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا۔ خارجی مذہب تھا۔ [ع۱۰]
حمزہ بن بیض حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات پر یہ شعر پڑھا ہے ؎

"بے شک مروت رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے لئے مخصوص
تھیں۔ سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی۔ تعجب ہے، یہ

ع۹ محمد بن قاسم کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو جانشین کرنا چاہا۔ قتیبہ بن مسلم اور حجاج نے ولید کی رائے کی تائید کی۔ اس سلسلہ میں حجاج نے قاسم کو خط لکھا۔ یہ تجویز پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج مر گیا۔ اس کے سات ماہ بعد ولید فوت ہوا۔ سلیمان نے جو جو ولید کے ہم نوا تھے ان کو قتل کرا دیا۔ اس لپیٹ میں قاسم بھی آیا۔ طبری جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷۴ میں تفصیل ہے۔

ع۱۰ الکامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۵ و تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۳۸۲

Marfat.com

سرداری پیدائش سے کس قدر قریب ہے"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

"سترہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی جبکہ اس کے
ہم سن اس سرداری سے غافل کھیل کود میں مصروف تھے"[1]

فاتح سندھ کی رواداری

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فاتحانہ سرگرمی اور مجاہدانہ کارنامے تفصیلی بیان کیے جا چکے اس جگہ اس کے کردار اور اس کی رواداری کے واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

بج رائے حاکم سیوستان پر ابن قاسم حملہ کرنے بڑھا۔ بج رائے مقابلہ کو تیار ہوا۔ اہل شہر نے کہا:۔

"مسلمانوں کا مقابلہ مناسب نہیں۔ صلح و آشتی سے کام لیجئے
مسلمان صلح کی درخواست کو رد نہیں کریں گے اور وہ کسی کے
مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ لہٰذا کشت و خون کا ہنگامہ
برپا کرنا فضول ہے"

چنانچہ راجہ داہر کے برادر زادہ بج رائے نے اپنا خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ اس وقت مسلمان باجماعت نماز میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر جاسوس واپس آیا اور راجہ سے کہا یہ لوگ اس قدر متحد اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۵

Marfat.com

متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ نج رائے مرعوب ہو کر رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔

جس روز راجہ داہر مارا گیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام کئے گئے۔ مگر دوسرے ہی روز فاتح سندھ نے اعلان کرایا:۔

"جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا"

برہمن آباد جب فتح ہوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے لگے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کرادیا اور اس کا یہ سلوک رہا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگان شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر دوکاندار اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن وامان کا اعلان کردیا گیا۔ جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان کو رہا کردیا۔ اور کہا کہ جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی نہ زمینیں چھینی جائیں گی۔ نہ جان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے بت خانے نو دھار میں بت کے آگے سجدے میں

Marfat.com

پڑے ہیں یہ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مندر ہے۔ اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہیں بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد اعلان عام کر دیا۔

"اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں۔"

ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا مورخ کا بیان ہے :۔

مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہونچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے روکا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بنا کر حجاج بن یوسف نے بھیجا تھا۔ تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم وجور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلہ میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے لکھا تھا۔

جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال و خزائن کو بہبود رعایا اور رفاہ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشتکاروں کاریگروں

سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوش حالی وفارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں کہیں یہ لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے؟ ملک اور رعایا کے ساتھ رفق و ملاطفت کی کیسی دل نشین تاکید ہے"

محمد بن قاسم جب نیروں میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا "اہل نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے اماں طلب کرے۔ اس کو ضرور اماں دو۔ کسی مقام کے اکابر دار تمہاری ملاقات کو آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا راہبر بناؤ جو وعدہ کسی سے کرو۔ ضرور پورا کرو تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو"

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں جو ایک ذمہ دار کا فریضہ ہوتا ہے۔ ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک وقوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں یا ان میں ملک اور قوم کا جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے۔ اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم وجور اور بربریت کی طرف۔

سیوستان کی فتح کی خوش خبری معلوم کر کے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے ہدایت پہونچی کہ "جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو قبول کرو۔ امان و عفو سے رعایا کو

مطمئن کردو سلطنت کے چار ارکان ہیں۔ اول مدارا و درگذر اور محبت دوم سخاوت و انعام۔ سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شہامت۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مال گزاری دینے کا اقرار کر لیں تو ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو۔"

محمد بن قاسم دریا پار ہو کر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہوا تو حجاج بن یوسف کا ہدایت نامہ ملا۔ "پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرأت قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدائے تعالٰے کے روبرو تضرع و زاری کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالٰے کی مہربانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالٰے کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہو گے۔ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم تمہارا انتظام و اہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو۔ جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوان کو ضرور اماں دو لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو۔"

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ "برہمن آباد کی فتح کے بعد پجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شکوہ پیش کیا کہ مسلمان سپاہیوں

کے خوف سے ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں ہماری
آمدنی کم پڑ گئی ہے۔ ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہونچا
ہے۔ اس کی مرمت اب تک نہ ہو سکی ہے۔ لہٰذا آپ ان مندروں
کی اپنے اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ
بے خوف و خطر مندروں میں آکر پوجا کریں۔"

محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ "تمہارے مندر کا تعلق شہر الور سے
ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں میں کیسے دخل دوں"۔ پجاریوں
نے کہا اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا
اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔"

محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی۔ حجاج نے
محمد بن قاسم کو لکھا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے
ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں چونکہ انہوں
نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت
میں آزادی حاصل ہے۔

غرضکہ یہ تھی محمد بن قاسم کی رواداری کی مختصر داستان۔ اب
محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

یزید بن ابی کیسہ سکسکی والئ سندھ کی وفات کے بعد حبیب
بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے امن و امان کو نقصان پہونچا۔
خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں ابن مہلب کو معزول

Marfat.com

کر کے عمرو بن مسلم باہلی کو امارت سندھ پر بھیجا اور یہاں کے اصلی باشندوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے بھیجے جس سے سمجھ دار لوگ بے حد متاثر ہو کر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔

اس کے بعد آل مہلب نے خلافت سے بغاوت کی۔ اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھا کر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ وداع ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا مگر ہلال بن احوز تمیمی کی سرکردگی میں خلیفہ کا لشکر آیا جس نے آل مہلب سے مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کیا۔

۱۰۷ھ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بجائے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو یہاں کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے امان طلب کر کے اور اجازت حکمرانی لے کر برہمن آباد کو اپنا پایہ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا۔ جنید سے اس کے تعلقات بگڑ گئے جس کی وجہ سے دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ مارواڑ گجرات گیا پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا۔

۱۱۱ھ میں باب خلافت کی طرف سے جنید صوبہ خراسان کا والی بنا دیا گیا اور سندھ کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے ہاتھ میں آ گئی

Marfat.com

مشہور شاعر فرزدق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا
تمیم کامیاب حکمراں ثابت نہ ہو سکا جلد فوت ہو گیا جس سے
ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی تو سندھ کی عنان حکومت عارضی طور
پر دوبارہ جنید کے سپرد کی گئی وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ
بھال کرتا رہا۔ مگر انتظامی حالت سندھ کی روز بروز ابتر ہوتی گئی۔
آخرش والی عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلبی امیر سندھ بنا کر بھیجا
گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر محفوظہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کو سندھ
میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا۔ امن و امان
قائم کرنے کے لئے مہمیں بھیجیں جس سے ملک میں نئے سرے سے
امن و امان قائم ہو گیا۔ فتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے
شہر منصورہ کی بنا ڈالی جو آخر میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت بنا۔
۱۲۱ھ/۷۳۸ء یا ۱۲۲ھ/۷۳۹ء میں حکیم ایک لڑائی میں کام آیا۔ عراق کی
حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی چنانچہ سندھ کی حکومت
محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس کے دور میں بغاوتوں
کو فروغ حاصل ہوا مگر وہ اپنی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ
کرتا رہا یہاں تک کہ باغیوں کو شکست دی۔ اسی اثناء میں آل مہلب
نے مروان بن یزید بن مہلب کی سرکردگی میں پھر سر اٹھایا۔ مروان
قتل کیا گیا جس کے بعد یہ فتنہ بھی رفع ہوا۔ اس اثناء میں خلافت
دمشق پر ہشام کی جگہ ولید آیا اس نے ہشام کے والیوں کو معزول کیا۔

Marfat.com

اور ۱۲۵ھ میں عمرو بن ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ یزید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس دور میں دار الخلافت انقلابات کا آماج گاہ رہا یہاں تک کہ اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دور دور کے صوبوں میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گل ہوا۔

منصور بن جمہور کلبی جو دار الخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آپہونچا تھا ۱۳۱ھ میں ابن اعرار سے مقابلہ کرکے اس کو قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت سندھ میں قائم کرلی۔

عہد بنی عباس منصور بن جمہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ منظور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابیل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں مصروف ہوگیا۔ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی طرف سے ابومسلم خراسانی مشرقی ممالک کا نگراں تھا۔ اس نے سندھ کی ولایت کے لئے ابومسلم عبدالرحمٰن بن مسلم مغلس عبدی کو مامور کیا۔ وہ فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منظور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ یہ سن کر منصور خود آگے بڑھا۔ منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا مغلس عبدی کو شکست ہوئی وہ گرفتار ہو کر

Marfat.com

۱۳۳ھ میں قتل کیا گیا۔ ابو مسلم خراسانی نے یہ روداد سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کے لئے روانہ کیا اس نے منصور کو شکست دی وہ فرار ہوا اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دی۔ اس طرح ۱۳۴ھ میں سندھ کی حکومت خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیر سندھ تھا۔ کچھ دنوں یہاں مقیم رہا فاتحانہ سرگرمی دکھائی اور اپنے بیٹے عیینہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عیینہ کامیاب حکمران ثابت نہیں ہوا۔ ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہو گئی۔ قحطانی ونزاری قبیلے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اس نے سب کو قتل کرایا۔ پھر اس کے خلاف بعض سازشیں بھی ہوئیں۔ بالآخر خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۲ھ میں عمر بن حفص کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عیینہ بغاوت پر آمادہ ہوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیش قدمی کی اور ملتان دیگر منصورہ پر قبضہ کیا اور عیینہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دور حکومت کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اسی کے عہد حکومت میں شیعی اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ میں خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہوا مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا۔

Marfat.com

خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لئے یہ مبلغین موصل واپس چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر ابن النفس الذاکیہ مدعی خلافت سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پاتے میں معاون بنا۔ حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذاکیہ کی عقیدت سے پذیرائی کی! ور رازداری کے ساتھ ان کو راجہ کے حدود حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے طریقہ کی تبلیغ میں مصروف رہے اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ میں خلیفہ المنصور عباس کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے۔ اس نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں سے دارالخلافت بھیجا گیا جو وہاں قتل کیا گیا۔

المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہو گئی مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس کے تدبر و دانائی کا قائل تھا اس لئے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقیہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا اور سندھ کی ولایت کا پروانہ ہشام بن عمرو ثعلبی کو دیا جس نے ۱۵۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

Marfat.com

منصور عباسی نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر در پردہ یہ بھی سادات کا ہم نوا تھا۔ اس نے ان کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ مگر اس کے بھائی سفیح بن عمرو تغلبی نے اچانک ان کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام نے ان کے اہل و عیال اور محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الاشتر کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا۔ مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہشام تغلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور بھروچ ملتان اور گندھار کو قبضہ میں لایا۔ پھر وہ ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر وطن گیا اور وہیں فوت ہوا۔ سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا۔ اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رہی چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحل گجرات سے آ کر ٹکرائے۔ خلیفہ مہدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی تنازع کے سبب سے آیا تھا۔ اس بیڑے میں حضرت مولانا ابو حفص ربیع بن صبیح سعدی محدث بھی تھے جو سندھ آئے۔ اور امامت پر مامور ہوئے جو ہند کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔

از تبع تابعین و کملائے محدثین است از حسن البصری و عطاء روایت

می کند عابد و مجاہد بود سنہ ۱۶۰ھ ملک سندھ رحلت فرمود۔ع۵

سندھ کی ولایت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا چنانچہ سنہ ۱۵۹ھ میں روح بن حاتم جو والی مقرر ہو کر آیا اسی سال واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ بسطام بن عمر کو دی گئی مگر سنہ ۱۶۰ھ یا سنہ ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی ظاہر ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی والی سندھ ہو کر آیا مگر وہ بھی اسی سال واپس بلا لیا گیا اور سندھ کی زمام سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دی گئی جس نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا جو اس سے پہلے بھی بحری حملہ میں آ چکا تھا۔ مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا۔ پھر بسر بن عباس اس عہدہ پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد مصیح بن عمر تغلبی کے ہاتھوں میں سندھ کی ولایت سپرد کی گئی۔ اس دور میں یہاں تمیمی و حجازی نزاع شباب پر پہنچ گیا تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں والی ہو کر آیا اور سنہ ۱۶۱ھ سے سنہ ۱۶۴ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے فوت ہوا۔

خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی بدامنی کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی سنہ ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد ہارون رشید

ع۵ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳

Marfat.com

کی خلافت کا دور آیا۔ اس نے ۱۷۱ھ میں سالم یونسی کو والی بنا کر بھیجا اس نے چار سال حکمرانی کی اس کے بعد ۱۷۴ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی آیا وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحٰق اس کا قائم مقام بنا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے طیفور بن عبداللہ بن منصور کو والی بنا کر بھیج دیا اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر بن اشعث طائی آیا اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تو مزید بدامنی پیدا ہوئی۔ اس لئے عیسٰی بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی مہم سپرد ہوئی اس نے محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس نے سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رخ کیا سو ہاں بھی ناکام رہا تو عبدالرحمٰن یہاں کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ پھر ایوب بن جعفر بن سلیمان آیا۔ ان پے درپے ناکامیوں کے بعد ہارون رشید کی نگاہ انتخاب آل مہلب پر اٹھی اور اس نے ۱۸۴ھ میں داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی عنان حکومت دی۔

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی سخت گیریوں سے سندھ سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا وہ تقریباً

Marfat.com

۲۰ سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا۔

۲۰۵ھ/۸۲۰ء میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشیر کو یہاں کی سندھ ولایت بھیجی اور دس لاکھ درہم و ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا۔ مگر پھر خراج کا بھیجنا بند کر دیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ/۸۲۶ء میں حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۳ھ/۸۲۷ء میں عثمان بن عباد مہلبی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر ۲۱۳ھ/۸۲۷ء میں سندھ کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ یہاں کے معاملات کو یکسو کر کے وہ بشیر کو ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو والی بنا کر بھیجا جو ۲۱۸ھ تک رہا۔ اس کے بعد عمران بن موسیٰ معتصم کے عہد میں آیا۔ واثق باللہ نے ۲۲۷ھ میں ایتاخ ترکی کو والی مقرر کیا۔ متوکل کے عہد میں ہارون بن ابی خالد مروزی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا مگر حجازیوں کے سرگروہ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر اقتدار حاصل کر لیا[۱] اور خالد کو قتل کرا دیا اور متوکل کو درخواست اپنی ولایت کے لئے دی۔ خلیفہ نے منظور کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ مگر حالات بگڑتے گئے جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہمی دست و گریبان ہو گئے حکومت کمزور ہو گئی۔ ہندو راجاؤں نے بہت سے علاقہ پر

عله تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ و عہد اسلامی کا ہندوستان ص۱۷

Marfat.com

قبضہ جمایا۔ اب صرف دو حکومتیں قائم ہو گئیں ایک کا دارالسلطنت منصورہ تھا دوسری کا ملتان۔

حکومت ہباریہ اس حکومت کے حالات بیان کرنے سے پہلے عربی قبائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب خاندان سندھ میں آباد ہو گئے۔ جیسے بنو بنہ (ملتان میں) ہباری قریشی منصورہ میں بنو ثقف (بھکرا لور میں)۔ ان کے علاوہ بنی تمیم آل مغیرہ۔ عباسی۔ صدیقی فاروقی عثمانی اشعری۔ بنو اسد۔ بنو عتبہ سادات وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ صدیوں سندھ میں رہنے سہنے شادی بیاہ کرنے سے ان کی اصل عربی معاشرت میں فرق آگیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے ہو کر ہو گئے۔ اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہو گئی۔ مثلاً مغیرہ سے موریہ۔

ابتدائے عہد میں ولاۃ سندھ کی طرف سے زمین کے بڑے بڑے قطعات مثلاً صوبہ تحصیل وغیرہ ان خاندانوں کو ٹیکس وصول کرنے اور انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے سپرد کئے گئے جس پر وہ نسلاً بعد نسل بطور وراثت قابض رہے۔ سندھ کی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے قریش کے ایک خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز ہباری مذکورالذکر ہوا جو ۲۴۰ھ میں سندھ کا خود مختار حاکم بنا اور تیس برس حکومت کر کے وفات پا گیا اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ

Marfat.com

تخت نشین ہوا۔

۲۷۹ھ میں ایک عام بلوہ ہوا جس میں صمہ جو بنو کندہ کا غلام تھا سندھ پر قابض ہو گیا۔ گو منصورہ پر عبداللہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس کے اقتدار سے باہر رہا۔ کیونکہ بنو سامہ کا خاندان جو عمان میں آباد تھا اس کی ایک شاخ بنو منبہ ملتان میں بس گئی تھی۔ اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور ۲۷۹ھ ہجری میں بلا شرکت غیرے وہ ایک بڑی طاقت و سادر وسیع سلطنت ہوگئی۔ غرض سندھ کے دونوں حصوں پر دو قبیلے عرصہ دراز تک حکمران رہے۔

۲۷۰ھ میں جب فاطمی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو عبداللہ المہدی کی طرف سے داعی ابوالقاسم بن فرخ کا بھائی ہشیم نامی سندھ میں ان کا پہلا داعی بن کر آیا اور فاطمی حکومت کی دعوت میں مصروف ہو گیا۔

عزیز باللہ خلیفہ (متوفی ۳۸۶ھ) کے عہد میں حلیم بن شعبان یا سیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے اچانک ۳۶۳ھ کے بعد ملتان پر قبضہ کر لیا۔[ع۲]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندھ بلوچستان کے علاقے چونکہ بحرین و

ع۱ نشر منتہی الافکار قلمی و موسم بہار جلد سوم صفحہ ۲۴ و ۷۷ ببمبئی۔

ع۲ موسم بہار جلد سوم کتاب الہند بیرونی

عمان اور یمن کے سواحل سے آمد و رفت اور تجارت کے ذریعہ پیوستہ تھے۔ اس لئے عربی سواحل کے مذہبی و سیاسی اثرات سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں پر لازماً پڑتے رہے اس کا نتیجہ تھا کہ سندھ کے سومرہ نام قبیلے نے جس کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ غالباً ۳۰۳ھ میں اسماعیلی دعوت قبول کرلی۔ ۴۰۱ھ میں محمود غزنوی نے جب ملتان کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو گمان غالب یہ ہے کہ یہ لوگ ملتان سے بھاگ کر منصورہ چلے آئے اور اچانک منصورہ کو ہباری خاندان سے چھین کر وہاں اپنی حکومت قائم کرلی۔

۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے یہاں سے بھی ان کو بیدخل کر دیا۔ اب ملک میں کوئی مرکزی حکومت نہ رہی لیکن چھوٹے بڑے زمیندار جن کو ہندوستانی عام طور پر رائے اور راجہ کہتے ہیں متعدد تھے جن میں سومرہ کا خاندان سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس سبب سے مصر کے فاطمی امام نے اس کو سندھ کی مذہبی سرداری عطا کی اور شیخ کا خطاب عنایت کیا۔ یہ خاندان سندھ میں تقریباً دو سو برس سے باجگزار کی حیثیت سے ملک کے ایک حصے پر قابض تھا [عله] جن میں سے اون کے نامور اشخاص بھونرا۔ ہودل۔ بیلا ہیں سومرہ اول سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ہم عصر ہے۔ اور چونکہ اس نے سلطان سے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی اس لئے اپنی جگہ پر خاموش رہا۔

عله تحفتہ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۷ بمبئی

Marfat.com

اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے پال بن سومرہ کو جو سلطان مسعود غزنوی (۴۲۱ھ و ۴۳۳ھ) کا ہم عصر تھا دروزیوں (شام میں اسمٰعیلیوں کا ایک فرقہ) کے امام نے خط لکھا کہ ابھارا غالباً اسی وقت سے ملک کے تمام اسمٰعیلی خاندان سامرہ (سومرہ) کی معیت میں انقلاب کی کوشش میں لگ گئے اور دس برس کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی ۴۴۴ھ تا ۴۴۱ھ کے عہد میں مرکزی سلطنت کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سومرہ دوم نے بمقام تھری ریگستان علاقے میں ۴۴۵ھ میں مطابق ۱۰۵۳ء ایک سلطنت قائم کی اور سندھ کے ایک نئے بندا سعد نامی کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے اس کا ولی عہد پیدا ہوا۔

(۱) یہ خاندان روز بروز ترقی کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام سندھ اور ملتان پر قابض ہو گیا۔ ۵۷۱ھ میں سلطان محمد غوری نے اسمٰعیلیوں سے ملتان لے لیا تب اچھ میں انہوں نے سلطنت جمائی۔ ۵۷۱ ہجری میں اس نے اچھ بھی چھین لیا۔ اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنایا۔ اس وقت محمد آفتاق کے عہد تک سندھ اور ملتان دونوں دہلی کے ماتحت رہے اور ایک حاکم (صوبہ دار) ہمیشہ وہاں حکومت کرتا رہا لیکن سومرہ (اسمٰعیلی) ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگے رہتے اور جب کبھی اس کا موقع ملتا آزاد ہو جاتے اور مجبور کئے جانے پر پھر ماتحت ہو جاتے جیسا کہ علاء الدین خلجی۔ ملک تغلق۔ سلطان محمد تغلق

Marfat.com

کے ابتدائی اور آخری عہد میں ہوتا رہا۔

(۲) ۷۵۲ھ کے بعد اور ۷۶۳ھ کے درمیان سمہ قوم نے سومریوں سے سلطنت چھین لی۔

سومرہ قوم کی اصلیت

سومرہ قوم کے متعلق جس نے پانچویں صدی ہجری کے اواسط سے آٹھویں صدی کے اواسط تک سندھ پر حکومت کی۔ اتنا تو یقینی طور سے ثابت ہے کہ یہ مذہباً مسلمان اور مسلکاً اسمٰعیلی تھے لیکن ان کی قومیت پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ جو کسی طرح نہیں اٹھتا۔

ان کے نام بیشتر ہندوانہ ہیں اور بعض مورخین کی تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہندو تھے۔ یورپ کے مورخوں نے تو علانیہ لکھا ہے کہ یہ نومسلم راجپوت تھے۔ مگر قیاس کے سوا انہوں نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اسی سلسلہ میں سب سے پہلی چیز اسمٰعیلی دروزی امام کا ایک خط ہے جس میں ۴۲۳ھ ہجری میں شیخ ابن سومر راجپل کو سندھ اور ملتان میں دوبارہ اسمٰعیلی حکومت کے قیام کے لئے غیرت دلائی گئی ہے۔ شیخ بن سومر راجپل کے نام سے اس کا نومسلم ہندو ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ معصومی میں جو ۱۰۱۱ھ کی تصنیف ہے یہ لکھا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سومرہ (حردم سومرہ) نے سومرہ نام ایک شخص کو اپنا افسر بنا کر حکومت قائم کرلی اور صاد (سحد) نامی ایک زیندار

Marfat.com

کی لڑکی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کھونگر رکھا گیا اور وہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کی نسل کے چند اور بادشاہ ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے[۵] کہ نومسلم سومری راجہ نے کسی قدیم عرب مسلمان خاندان میں شادی کی اور اس سے نسل چلی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ہندی عربی مخلوط نسل کا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے نام معصومی کی کتاب میں حسب ذیل ملتے ہیں :۔

(۱) سومرہ۔ (۲) بھونگر۔ (۳) دودا۔ (۴) تاری (شہزادی کا نام)۔ (۵) سنگھار۔ (۶) ہمون (سنگھار کی بیوہ)۔ (۷) پٹھو (شاید کہ پیتھو ہو)۔ (۸) خیرا۔ (۹) ارمیل۔

"تاریخ طاہری" میں جو ۱۰۳۰ھ کی تصنیف ہے سومرہ قوم کی اصلیت کے متعلق یہ مذکور ہے کہ سندھ میں دلورائے ایک راجہ تھا۔ اوس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا۔ چھوٹا امرانی فریاد لے کر خلیفہ بغداد کی خدمت میں گیا۔ خلیفہ نے سامرا (عراق کے شہر کا نام) کے سو عربوں اور سادات کو اس کے ساتھ کر دیا۔ سیدالسادات نے سندھ آکر سکونت اختیار کر لی اور دلورائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ تاریخ طاہری نے دلورائے اور اس کے بھائی کے اختلاف کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بھائی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ اور قرآن

---

[۵] عرب و ہند کے تعلقات۔

پڑھتا تھا اور دل میں مسلمان ہوگیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کو چلا راستے میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ "سومرہ" قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ بہرحال سومرہ کی وجہ تسمیہ کو مصنف نے عراق کے "سامرا" سے نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ شہر سامرہ جن کی عربی اصل سومن رائے (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) یہ شہر معتصم عباسی نے ۲۲۷ھ میں بسایا تھا۔ دوسری صدی میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر عباسی دور میں قبیلہ تمیم کا جو گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی کے نام سے آیا تھا۔ وہ سفاح کے زمانہ میں ۱۳۲ھ (۱۳۶ھ) یہاں آیا تھا جبکہ سامرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ اس لئے سومرہ قوم کے نام کا جوڑ شہر سامرا سے پیدا کرنے کی کوشش لفظی صنعت گری کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

تحفۃ الکرام نے سومرہ بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:۔

(۱) سومرہ۔ (۲) بھونگر بن سومرہ۔ (۳) دودا بن بھونگر۔ (۴) سنگھر۔ (۵) حفیف (یا خفیف)۔ (۶) عمر (یا آنر)۔ (۷) دودا دوم۔ (۸) پتھو۔ (۹) گھنرا اول۔ (۱۰) محمد تور۔ (۱۱) گھنرا دوم (۱۲) دودا سوم (۱۳) تائی۔ (۱۴) چنیسر۔ (۱۵) بھونگر دوم۔ (۱۶) حفیف (یا خفیف دوم) (۱۷) دودا چہارم۔ (۱۸) عمر سومرا۔ (۱۹) بھونگر۔ (۲۰) ہمیر (یا امیر)۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ ان ناموں کی ساخت تمام تر عربی ہے۔ مگر نام حقیقت
ں انہ باو نار ہے چنانچہ یہی نام ابن بطوطہ اور سراج عفیف میں ہے۔
بھیف اس سومرہ سردار یا دشاہ کا نام تھا جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر
تھا چنانچہ سلطان کے درباری شاعر فرخی نے سومنات کی فتح پر جو قصیدہ
ربار میں پیش کیا تھا اس میں اس کا نام موجود ہے۔

۶۲۰ھ میں ایک دو سال پہلے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ
چنگیزی مغلوں سے بھاگ کر سندھ میں بمقام ٹھٹھہ آیا تو اس وقت
کے سومری بادشاہ کا نام فرشتہ میں جنیر لکھا ہے جو اصل میں چنیر ہے
طبقات ناصری "ملک سنان الدین چنیر والی دیول و سندھ" کے لقب و
نام سے اس کا ذکر آیا ہے جس نے ۶۲۵ھ میں بادشاہ دہلی کی اطاعت
قبول کی تھی چنیر کی اصل "چندر ایشور" بتاتے ہیں چندر چاند اور ایشور
خدا نام کی یہ اصل ہندو نسل کا پتہ دیتی ہے اور ملک سنان الدین
کا لقب اس کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔

ان سومری بادشاہوں کے نام معتبر معاصر حوالوں سے ثابت
ہیں۔ بعض ناموں کی تصحیح قیاساً بھی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سومرہ نام
کی اصل سوم رائے معلوم ہوتی ہے۔ سوم کے معنی ہندی میں چاند
کے ہیں وہ اصل میں رائے ہے جیسے بلھراج گجراتی راجاؤں کا عربی
تلفظ کا نام ہے اصل میں ولبھ رائے ہے۔ اسی طرح سنگھر کو سنگھ رائے
اور بھونگر کو بھونگ رائے گھنرا کو گھن رائے پٹھو کو پتھو سمجھا جائے۔

Marfat.com

فرخی نے والی منصورہ خفیف کی شکست اور فرار کی جو کیفیت اپنے قصیدے میں لکھی ہے اس موقع کے یہ چند شعر قابل ذکر ہیں :۔

وناں حصار منصورہ رئے کرد و برابار ۔ براں ستارہ کجا راندحیدر از خیبر

خفیف چوں خبر خسرو جہاں بشنید ۔ رواں گذشتہ و بجوسے اندر او فتاد نگر

خفیف را سپہ و پیل و مال چنداں بود ۔ کہ بیش ازاں نبود در ہوا حباب از ز

ان شعروں میں گو خفیف کو سومری نہیں کہا گیا ہے مگر مورخین نے خفیف کو سومرہ سلاطین ہی کی فہرست میں درج کیا ہے۔

ان شعروں میں اس بادشاہ کی فوج ہاتھی اور مال و منال کا یہ حال لکھا ہے کہ وہ شمار میں غبار زرہ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کو کسی قدر زیادہ مبالغہ سمجھا جائے پھر بھی وہ اہمیت رکھتا ہے۔

پایۂ تخت

اس کا پتہ واضح طور سے نہیں چلتا کہ سومرہ قوم کا اصل وطن سندھ کے کس حصہ میں تھا۔ تاریخ کی چھان بین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بڑی آبادی سندھ کے مشرقی جانب کے زیرین حصہ میں ضلع پارکر اور تھری میں تھی اور اسی لئے ان کا پہلا سیاسی مرکز تھری محمد نور مقام میں تبدیل ہو گیا۔ اور وہ ان کا عرصۂ دراز تک پایۂ تخت رہا۔ عمرکوٹ یا امرکوٹ (اترکوٹ) بھی عرصہ تک اُن کا پایہ تخت بنا رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں اُن کا پایۂ تخت منصورہ تھا جس کا دوسرا نام بقول ابوالفضل بھکر ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں اچھ ان کا پایہ تخت تھا

Marfat.com

آخر زمانہ میں (سنہ ۷۵۲ھ) ان کا مرکزی مقام ٹھٹھہ نظر آتا ہے اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کی سلطنت کی وسعت ملتانی سرحد سے لے کر زیریں سندھ کے نصر پور بلکہ کچھ (رنج) تک تھی جس میں مختلف انقلابوں کے بعد وہ اپنا پایہ تخت بدلتے رہے۔

اس قوم کے افراد کی تعداد کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن محمود بیگڑہ گجرات کے عہد نویں صدی میں سندھ کی جو فوج اس کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار تھی اس سے ان کی آبادی کا ایک خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے سندھ پر تین سو برس سے زیادہ حکومت کی جس میں اس قوم کی مختلف شاخوں نے حصہ لیا۔ ان کے بعض حکمران چالیس برس تک برسر حکومت رہے۔ انہوں نے جس قدر گاؤں مشہور قصبے آباد کئے۔ ان کی صحیح فہرست ہم تک نہیں پہونچی۔ لیکن تین بڑے شہروں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اتر کوٹ (عمر کوٹ) ٹھری اور ٹھٹھہ سے ان شہروں میں انہوں نے متعدد قلعے بھی تیار کئے جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے لیکن چونکہ محمد تغلق کے عہد تک مغلوں کی یورش بکثرت سندھ پر ہوئی۔ اس سبب سے ان کی اکثر عمارتیں ویران ہوگئیں اور بہت کم آثار باقی رہے ہے۔

سمہ | سندھ کی دوسری تو مسلم قوم سمہ ہے جس نے سومریوں کے بعد ملک میں طاقت حاصل کی۔ طبقات بہادر شاہی میں ہے

کہ سمہ قوم ان لوگوں میں سے ہے جو تمیم انصاری کے خاندان کے ہیں لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سندھ میں ان کا وجود عربوں کے سندھ فتح کرنے سے قبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ چچ نامہ میں جو سندھ کی سب سے قدیم تاریخ ہے مذکور ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس سمہ قوم کے کچھ لوگ آئے اور اطاعت کے صلہ میں انعام حاصل کیا۔[۱] اس کے علاوہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی ان کا خاندان تھا اور آج بھی موجود ہے۔ جو ہندو مذہب رکھتا ہے۔ کچھ اور جام نگر کے ہندو جام سمہ خاندان سے ہیں۔ جوناگڈھ میں سمہ خاندان نے ۵۰۰ھ سے ۱۱۷۲ھ یعنی چھ سو برس حکومت کی۔ ان[۲] کا مذہب بھی ہندو تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سمہ قوم سندھ میں اسلام سے قبل موجود تھی، مذہب ہندو تھا اس قوم نے اسلام قبول کر لیا مگر اسلام کی صحیح تاریخ نہیں معلوم لس بیلہ کے مسلمان والی آج بھی جام کہلاتے ہیں۔ جام کے لفظ سے بعض لفظ پرستوں نے جام جمشید سے ان کا رشتہ جوڑا ہے جو سراسر وہم ہے۔

تاریخ طاہری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی رح کے فیض کے اثر سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے کیونکہ اس قوم کے امراء سے ان کے تعلقات وابستہ تھے۔ اس کے بعد

---

[۱] چچ نامہ قلمی دار المصنفین اعظم گڈھ

[۲] تاریخ مصطفیٰ آباد (جوناگڈھ) حصہ اول صفحہ ۴۴ بمبئی

Marfat.com

ان کے خلیفہ جلال الدین بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیان جلال الدین حسین بخاری کے ذریعہ اس قوم میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ قوم آخر تک حضرت مخدوم کی اولاد کے ساتھ عقیدت کا نذرانہ پیش کرتی رہی۔ چنانچہ احمد آباد (گجرات) میں بھی قطب عالم اور شاہ عالمؒ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے رہے۔ اور اسی سبب سے جام نے اپنی لڑکی شاہ عالم صاحبؒ سے منسوب کر دی تھی جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر زندہ رہا۔ ان کے نام بھی نو مسلم ترکوں کی طرح کہیں خالص سندھی اور کہیں اسلامی مخلوط ملتے ہیں۔ یہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان اہل سنت والجماعت سے تھے۔ اور اسی لئے سندھ کے جاموں کی شادیاں گجراتی سلاطین کے ساتھ ہوتی رہیں۔

تاریخ طاہری میں مرقوم ہے کہ سمہ قوم کی آبادی سمندر کے کنارے تھی۔ جو لوگ جزیرے نمائے کچھ سے نکل کر کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی ساحل پر جنہوں نے قبضہ کیا وہاں جام نگر بسا کر پایہ تخت بنایا اور وہ ریاست بھی آج تک موجود ہے۔

تیسرے گروہ نے کاٹھیاواڑ میں جوناگڈھ کو آباد کیا جس کی حکومت گجراتی سلاطین نے ختم کر دی اور یہ سب ہندو تھے۔ لیکن دریائے سندھ سے لے کر کچھ مکران تک کی آبادی نو مسلم سمہ کی تھی۔ رائے کچھ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ جب طاقتور ہو گئے تو کچھ پر قبضہ کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ بالائے سندھ آبادی بڑھاتے گئے۔ سومرہ قوم کے آخر فا

Marfat.com

زمانہ میں یہ خاصے طاقتور ہو گئے تھے۔ اور آخری سومرہ بادشاہ جس کا پایۂ تخت ٹھٹھہ تھا۔ محمد تغلق سے جنگ لڑتے لڑتے بہلے جا۔ کمزور ہو گیا تھا۔ سمہ قوم کا سردار انار نامی نے اس سے فائدہ اٹھا کر انقلاب سلطنت کی کوشش کی۔ اور اس میں کامیاب ہوا (۷۵۲-۹۲۶ھ) پہلے ان کا پایۂ تخت ساموئی تھا۔ اور سومریوں پر فتح پانے کے بعد ٹھٹھہ ہو گیا۔

ان کے حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:-

(۱) جام انارؒ (۲) جام جونا۔ (۳) جام تماچی۔ (۴) جام خیرالدین۔ (۵) جام ھنیہ۔ (۶) جام تماچی دوم۔ (۷) جام صلاح الدین (۸) جام نظام الدین۔ (۹) جام علی شیر۔ (۱۰) جام دن۔ (۱۱) فتح خان (۱۲) جام تغلق۔ (۱۳) جام مبارک۔ (۱۴) جام سکندر۔ (۱۵) جام رائے ددن۔ (۱۶) جام سنجر۔ (۱۷) جام ننا نظام الدین۔ (۱۸) جام فیروز

جام فیروز سے شاہ بیگ ارغوانی والی قندھار نے ۹۲۷ھ میں سندھ کا ملک چھین لیا۔ اس خاندان نے (۱۹۲) برس حکومت کی۔ سمہ ابتداء میں سومریوں سے جنگ کرنے میں مصروف رہے۔ اور جب استقلال کے ساتھ تمام حکومت ہاتھ میں آگئی اور امن وامان قائم ہو گیا تو ملک کو فروغ دینے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جام سنجر نے سب سے پہلے عدالت کی طرف توجہ کی اور وہ تمام خرابیاں جو عدالت قاضی شاہد اور اس محکمہ کے عمال میں ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی۔ قاضیوں

کی تنخواہیں بہت زیادہ کردیں تاکہ رشوت کا سدباب ہو۔ جبرالدین کے عہد میں قافلوں اور کاروانوں کے راستوں کی حفاظت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا گیا۔ سمہ قوم سیدوں کی بڑی عزت کرتی تھی انہوں نے بہت مدرسے اور خانقاہیں بنائیں۔ بڑی بڑی مسجدوں کی بنیادیں رکھیں۔ ہمسایہ سلطنتوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے۔ چنانچہ ملتان اور گجرات کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ گجراتی بادشاہوں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے جس کے باعث بعض اوقات سیاسی فائدہ بھی اٹھا لیتے۔ علماء کے بڑے قدردان تھے۔ محمد بن سعد جلال الدین دوانی کو سندھ میں آنے کی انہوں نے دعوت دی تھی لیکن موت نے علامہ موصوف کی آمد کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ مولانا میر معین الدین سید ابوالغیث۔ مولانا محمد اثیرالدین بھری (منطقی) مخدوم عبدالعزیز بھری محدث جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور رہے۔

کاشتکاری اور باغبانی یگانہ روزگار فاضلوں نے سندھ میں عمریں گزاریں۔ عمدۃ الملک دریا خاں اور سارنگ خاں جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور تھے۔ کاشتکاری اور باغبانی پر بھی انہوں نے کافی توجہ کی۔ ارغون کے آنے سے قبل سندھ میں بکثرت باغات تھے۔ ان کے لئے بڑے بڑے کنویں بنوائے

Marfat.com

گئے جن کو اونٹ کھینچتے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا۔ ملتان کشمیر خراسان اور گجرات وغیرہ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے جام نظام الدین کے حالات میں معصومی نے لکھا ہے کہ:۔

"جام نظام الدین در اوائل حال طالبعلم می بود۔ و در خوانق و مدارس میگذرانیدہ و بغایت متواضع و خلیق بود۔ و بصفات پسندیدہ و اخلاق حمیدہ متصف۔ و زہد و عبادت بدرجہ کمال داشتہ۔ و فضیلت و حالت او زیادہ از آں بود کہ شمہ از ان تحریر بتوان نمود (ص۷۴)"۔

اس کی صلح پسندی کی یہ تصویر ملاحظہ ہو:۔

"جام نظام ہر ہفتہ با صطبل خود می رسید و دست بہ پیشانی اسپاں می کشیدہ و می گفتہ کہ اے دولتمندان غیر غزا نمی خواہم کہ سواری بہ شما واقع شود چرا کہ در حدود اربعہ حکام اسلامند دعا کنید کہ بے سبب شرعی بجائے نروم و کسے نیز ایں جا نیاید مبادا خون مسلمانان بے گناہ ریختہ شود و عنداللہ سجانہ شرمسار شوم"

اس کے زمانہ میں سندھ میں احکام شریعت کی ترویج کا حال یہ تھا کہ

"در زمان دولت او احیائے سنن بنوعے شیوع یافتہ بود کہ ما فوق آں تصور نتواں کرد۔ کہ در مساجد اقامت جماعت بہ نہجے می بود کہ خرد و کبیر محلہ در مسجد حاضر آمدہ بگذاردن نماز

Marfat.com

تنہا راضی نبودند۔ اگر وقتے از یکے جماعت فوت شدے بغایت
نادم گردیدہ و در دو سہ روز باستغفار مشغول می بود" (صفحہ ۲۷۵)

سلاطین لنگا ملتان میں

نویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان پایہ تخت دہلی کے ماتحت ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدون کے آخری بادشاہ علاءالدین کے عہد میں۔ کابل۔ غزنہ اور قندھار پر مغلوں کا قبضہ ہوجانے کی وجہ سے وہ ملتان پر جو قندھار کے بالمقابل واقع ہے آئے دن یلغار کرکے لوٹ مار کرتے تھے۔ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں ایسی حالت ہوگئی کہ وہاں کوئی حاکم نہ رہا۔ اس لئے اہل شہر نے مل کر شیخ بہاءالدین کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو اپنا حاکم بنایا۔ ملتان اچھ۔ اور اردگرد کے مقامات میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا ملتانیوں کی خوش قسمتی سے شیخ میں حکومت کی اعلیٰ لیاقت موجود تھی۔ ان کے حسن انتظام سے تمام مخلوق خوش ہوگئی۔ ملتان کے اطراف میں ایک نو مسلم قوم لنگاہ رہتی تھی۔ جو نسلاً راجپوت تھی۔ اس قوم کا سردار رائے سہرا نام قصبہ سوئی میں زمیندار تھا۔ اس کے آباؤاجداد حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفاء کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ اس نے شیخ یوسف کو پیغام دیا کہ سلطان بہلول لودی بادشاہ دہلی کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہیگا اس لئے فوجی امداد کے لئے میری قوم لنگاہ کا دل ہاتھ میں لیجئے تاکہ وہ وقت پر کام آئے۔

شیخ نے اس کی درخواست منظور کی۔ اور اس کی استدعا پر اس کی لڑکی سے شادی بھی کرلی۔ وہ لڑکی کے بہلنے کبھی کبھی آیا جایا کرتا۔ ایک دفعہ وہ اپنی پوری قوم کو ساتھ لایا۔ اور شیخ سے عرض کیا کہ میری قوم کا معائنہ کرکے میرے لائق کوئی خدمت عنایت کریں۔ شیخ نے قبول کرلیا۔ رائے عشاء کے وقت لڑکی سے ملنے کے بہانے قلعہ میں داخل ہوا اور پھر فریب سے لنگاہ قوم کو اندر لاکر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اور شیخ یوسف کو نکال دیا۔ شیخ دہلی پہونچے اور بہلول لودی سے مدد کے طالب ہوئے۔

شیخ نے کل گیارہ برس حکومت کی رائے سہرہ نے ملتان پر قبضہ کرکے ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۴ء میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور اپنا لقب قطب الدین لنگاہ مقرر کیا۔ یہ شخص بڑا مدبر تھا اس انقلاب کے باوجود اس نے کسی قسم کی بدامنی نہیں ہونے دی۔ یہ بڑا محنتی آدمی تھا۔ اہل کمال کا بے حد قدردان تھا۔ بادشاہ کا سارا وقت ان کل پرزوں کے درست کرنے میں صرف ہوتا جو بادشاہ گری سے بگڑ گئے تھے۔ اور مغلوں کی لوٹ مار سے جو ویرانی چھاگئی تھی اس کو دور کرنے پر توجہ مبذول کرتا رہا۔ سولہ سال سلطنت کرکے ۸۷۴ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اس کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا حسین لنگاہ تخت نشین ہوا حسین جفاکش صاحب علم اور اہل ہنر کا قدردان تھا۔ اس نے ابتداء ہی میں

Marfat.com

لخہ شورپیچر چنیوٹ پر قبضہ کرلیا۔ شیخ یوسف نے بہلول لودی کو توجہ دلائی
کہ حسین لنگاہ دھن کوٹ (سرحد پنجاب) تک آگیا ہے۔ چنانچہ لودی نے
اپنے لڑکے باربک شاہ کو فوج لے کر ملتان بھیجا جس کو حسین شاہ نے
بآسانی شکست دیدی۔ اور کوٹ کرور کے حاکم کی بغاوت کو جو خود
اس کا بھائی تھا فرو کر کے انتظام سلطنت میں مشغول ہوگیا۔ روہیلہ
قوم کا سردار ملک سہراب ملتان آیا اور بادشاہ کا ملازم ہوگیا۔ بادشاہ
کی عنایت دیکھ کر قوم بلوچ ملتان آدھمکی۔ اور شاہی وفاداری کا
یقین دلا کر جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے حسین شاہ کے پاس ایک
اچھی بہادر قوم کی فوج تیار ہوگئی۔ سمہ قوم کے دو سردار بایزید اور ابراہیم
بھی سندھ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بایزید کو شور کوٹ اور
ابراہیم کو اُچھ عنایت ہوا۔ دہلی میں بہلول کے بعد سکندر لودی تخت
نشین ہوا۔ تو تعزیت کے لئے سفیر بھیجے اور اس طرح صلح کی بنیاد رکھ کر
تحفوں کا تبادلہ کیا۔ سلطان محمود گجراتی سے بھی اس کے تعلقات
اچھے تھے اور سفیر آیا جایا کرتے تھے۔

لنگاہ بادشاہوں کے کارنامے ملتان کی یہ نومسلم خود مختار ریاست تقریباً ۸۰ برس قایم رہی اس کی
فوجی و عسکری قوت کے ثبوت کے لئے حسب ذیل اقتباس کافی ہے جو
معصومی کی تاریخ سے ہے:۔

"و از آں جانب رائے زادہا لنگاہ و بلوچان و سایر سپاہ

روبرو آمدہ (۱۵۲) چون غلبہ مرزا شاہ حسین بگوش سلطان محمود لنگاہ حاکم ملتان رسید۔ مردم باطراف و سرحدہا فرستاد۔ تا لشکر بلوچ وجٹ و سائر سپاہ را جمع سازند۔ و در عرض یک ماہ ہشتاد ہزار سوار و پیادہ در ملتان جمع آمدہ جمیعتے عظیم بہم رسید (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نومسلم سلطان کے پرچم کے نیچے کتنی قومیں جمع تھیں۔ ملتان چونکہ اس زمانہ میں ایران و خراسان وافغانستان سے آنے والی قوموں کا رہگزر تھا اس لئے نئے نئے حملوں کا ہمیشہ نشانہ رہا۔ اسی وجہ سے یہاں کے بادشاہوں کو اصلاحی کاموں کے بجائے فوجی استحکام کے وقت دولت اور دماغ کو زیادہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود ان بادشاہوں کو موقع ملا تو اصلاحی وتعمیری کاموں کی طرف بھی فراخ دلی سے متوجہ ہوئے۔ چنانچہ شیخ یوسف کے عہد میں زمینداروں کی حالت سدھارنے میں کافی کوشش کی گئی۔ شاہ حسین کے زمانہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ پنجاب کی سرحد دھن کوٹ سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے حدود وسیع ہوگئے۔ اس کا فوجی نظام بھی قابل تعریف تھا۔ اس نے اپنی فوج میں لنگاہ۔ سندھی۔ مکرانی۔ بلوچی زیادہ تر بھرتی کئے جس سے اُن کی طاقت بڑی زبردست ہوگئی۔ نقد تنخواہ کی بجائے افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ اور عام سپاہیوں کو یہ جاگیرار

Marfat.com

نواہیں دیتے تھے۔

یہ بادشاہ علم کا بھی قدردان تھا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء اضر رہتے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا۔ اسی کا اثر ا کہ وزراء اور امراء بھی علم کے بڑے قدردان تھے۔ چنانچہ وزیر یزید خاص طور پر قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ خراسان اور ندوستان کے بہت سے عالم وہاں جاکر مقیم ہوگئے۔ شیخ جمال الدین شی اسی دربار سے فیضیاب تھے۔ مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیز اللہ ی عہد کے باکمال لوگ ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان میں معقولات رواج ہوا۔ میر عماد گردیزی مرزا شہیدا انہی دنوں ملتان آکر قیم ہوئے۔ شیخ بہاء الدین قریشی اس عہد کے صوفیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا بہلول قوت گویائی اور شیریں زبانی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ قاضی محمد بھی اس عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔

مدرسے بھی ہر جگہ جاری تھے۔ جن میں سے قاضی جامعی کا مدرسہ یادہ مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا ابراہیم جامعی تھے جو ساٹھ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سعیدالدین لاہوری بھی اسی مدرسہ کے معلم تھے جو آخر میں صدر ہوگئے۔

اس عہد میں علم فقہ کا بڑا زور تھا یہاں تک کہ دربار میں بھی شرح وقایہ اور ہدایہ ہی کا چرچا رہتا تھا۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی سلاطین ملتان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ چنانچہ

دہلی۔ کشمیر۔ گجرات۔ سندھ اور خراسان سے سفیروں کی ہمیشہ آمد رہتی۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب خراسان سے زیادہ گھوڑوں کی تجارت ہوتی۔

سلاطین کو باغ لگانے کا بھی بے حد شوق تھا۔ سلاطین کی یادگار میں آج بھی لنگاہ خاں کا باغ موجود ہے جو بلدیہ کے زیر انتظام ہے[1] اور سُنا ہے کہ لنگاہ قبیلہ کے مسلمان خاندان بھی موجود ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں[2]۔

---

[1] ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۲۸۷ حیدرآباد

[2] ہندی الاصل اڑ ہندوی الفسل سلاطین از علامہ سید سلیمان ندوی

سُلطان محمُود غزنوی

سلطان محمود ابن سبکتگین نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا

مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے:۔

امام ابوالفضل بیہقی می آرد" کہ نصر حاجی مرد بازرگان بود درعہد امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخرید بہ بخارا برد چوں آثار کیاست و جلادت بر ناصیہ او ظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب تجرید و در خدمت الپتگین بہ طخارستان رفت و قتیکہ ایالت طخارستان حوالہ او شد"

امام محمد علی ابوالقاسم عمادی در تاریخ مجدول چنین آوردہ کہ امیر سبکتگین از فرزندان یزدجرد شہریار بودہ و دراں وقت کہ یزدجرد درہلاد مرو در آسیاں کشتہ شد درعہد خلافت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ واتباع یزدجرد بہ ترکستان افتادند و ایشان قرابتی کردند و چوں دوسہ بطن بگزشت ترک شدند و قصرہائی ایشان دراں دیار ہنوز برحالیست۔

امیر سبکتگین (ابن جوق) قرا الحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا لقمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارس (ملک العجم) ؁۱

؁۱ طبقات ناصری صفحہ ۲۶۷

Marfat.com

شجرۂ خاندان غزنویہ

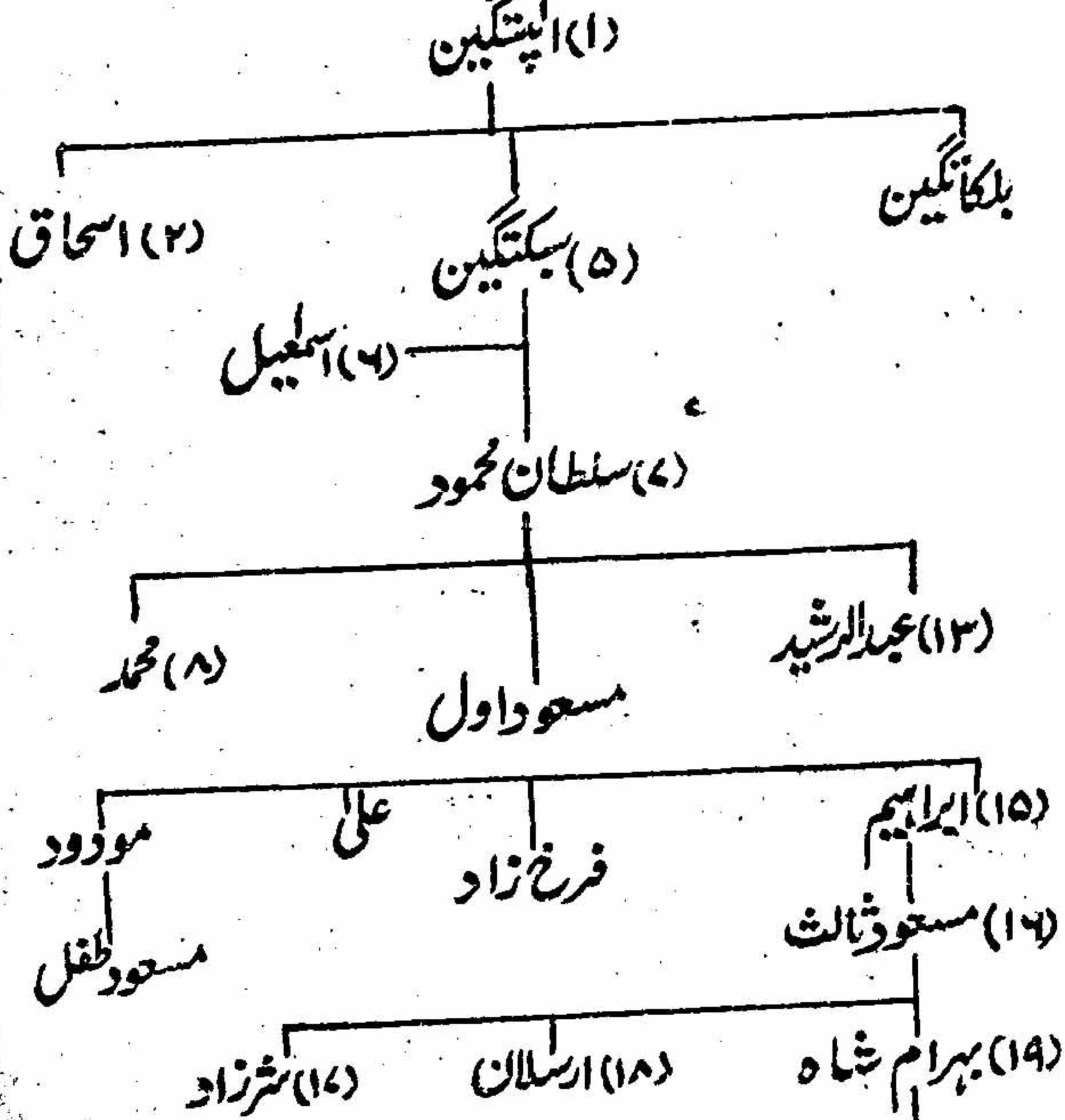

خاندانی حالات | محمود کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین امیر الپتگین کے داماد تھے۔ الپتگین امرائے

دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے صفاریہ خودمختار ہوئے۔ ان ہردو کی حکمرانیاں ماوراالنہر کے علاقہ پر تھی دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل و قندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر الپتگین مذکور جو امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا، اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔[1] یہ شہر کابل سے بچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین

سبکتگین (۳۶۶ھ / ۹۷۶ء تا ۳۸۷ھ / ۹۹۷ء) الپتگین کی وفات کے بعد غزنی سلطنت کا امیر بنا۔ پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں وہی پرانے سرحدی تنازع تازہ ہو گئے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہا جاتا ہے۔ پنجاب و غزنی کی حکومتوں سے کس حکومت کے زیر اثر رہے۔ آخر پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطنت غزنی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ایک طوفانی لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی ملغان میں اتر گیا۔ اِدھر سبکتگین اور اس کا نو عمر لڑکا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں داد شجاعت دے رہے تھے کہ اچانک برف و باراں کا طوفان امنڈ آیا۔ اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ آخر کار صلح ہو گئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درم اور پچاس

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۴۴

Marfat.com

ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ تھی وہ پہلی جنگ جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

راجہ جے پال کی وعدہ خلافی اور سبکتگین کا حملہ ہندوستان پر

اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آکر رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم لینے آئے تھے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ سبکتگین یہ سنتے ہی بجلی کی مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوا۔ ادھر راجہ جے پال نے دہلی قنوج اور کالنجر کی فوجی مدد لی اور مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ درہ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی ہندی فوجوں نے شکست کھائی اور پشاور تک اٹک پار کے ملک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اب غزنی کے ترکوں کے لیے ہندوستان کا راستہ کھل گیا تھا اور دہلی کالنجر اور قنوج پر انہیں اپنی ترکتازیوں کا حق تھا کیونکہ یہ ممالک دشمن کے ہمنوا تھے۔

سلطان محمود

محمود اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا جس کا منشا اپنی سلطنت غزنی کو وسعت و استحکام دینا تھا۔ وہ اپنی ۳۳ سال کی حکمرانی میں کامیاب ہوا۔

محمود کی ترکتازیاں

اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان کی ہوں یا نا مسلم کی ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف۔ کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیوں

Marfat.com

سلطنت، تیسری طرف دیلمیوں اور طبرستان کی حکومت آل زیاد کو،
رقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھ
اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر
دسا اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر
پنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔ یہ تھیں اس بدنام،
ت شکن" کی ترکتازیاں جس نے ہندوستان کی ساری اسلامی
لطنتوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ غزنی کے سلاطین
یہ لڑائیاں ہندوستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں یا
ں جغرافی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تغیر کے زیر اثر
ق آئیں۔"

سلطان محمود کے حملے ہندوستان پر

محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں

سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا، وہ اپنے دور میں سب سے
پہلے ۳۹۰ھ میں ہندوستان میں داخل ہوا جنوبی ہند کے جاٹوں کی
سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ دوسرے سال پھر
یا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ زبردست رن پڑا راجہ جے پال نے
شکست کھائی، اور گرفتار کر لیا گیا۔ محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر ہند
پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت
انند پال کے سپرد کر کے چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔

۳۹۵ھ ۱۰۰۴ء میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی
اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کرلی اور بھیرہ اور اس کے مضافات
سلطنت غزنی میں ملائے گئے۔ پھر ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے
بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی، ۳۹۶ھ ۱۰۰۵ء میں محمود اس کو سزا
آیا، رائے انندپال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہوکر فرار ہو
ابوالفتوح نے محمود کی اطاعت قبول کی[علے] محمود نے انندپال کے بیٹے
سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنادیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہوگیا
محمود ۳۹۸ھ ۱۰۰۷ء میں اس کی گوشمالی کے لئے آیا اور حبس دوام کی سزا دی
پھر ۳۹۹ھ ۱۰۰۸ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ انندپال کی مدد
اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی
داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا، اور عورتوں
نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں
مدد دینے کے لئے روپیہ بھیجا مگر ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خانہ جنگیوں
غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے
محمود نے راجپوتوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں
کے قدم اکھڑ گئے۔ محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا جس میں
نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران
بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد رایان ہمت

علے تاریخ ہندوستان ذکاءاللہ جلد اول صفحہ ۲۶۸

Marfat.com

کے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے گئے۔ اس حملہ میں محمود نے نگر کوٹ (کانگڑہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء میں ابوالفتوح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے ۴۰۴ھ/۱۰۱۳ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندونا لیا، ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی، اس کے بعد ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کر لیا۔ آنندپال کے لڑکے ترلوکن پال کا انتقال ہو چکا تھا راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب کو چھوڑ کر راجہ اجمیر کے پاس چلا گیا جہاں ۴۱۶ھ/۱۰۲۶ء میں اس نے وفات پائی۔

محمود نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں گوالیار اور کالنجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر ۴۱۶ھ/۱۰۲۵ء میں سومنات کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اور اس مہم گجرات کی فتح کی تکمیل ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء میں کی۔ پھر اسی سال ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی، اور ۴۱۹ھ/۱۰۲۷ء میں جاٹوں کی چھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح محمود کے براہ راست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آ گئے۔[1]

---

[1] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲

اور کشمیر، قنوج، کالنجر، گوالیار، اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا حقیقی سبب یہ تھا کہ مندر دولت کے خزانے تھے زر و جواہر کا انبار تھا۔ محمود نے ہندوستان کے ان حملوں میں بلیغ مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سومن وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں جس حجرے میں بت تھا اس کی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ روشنی کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے۔ جن کی جگمگاہٹ سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔ محمود کے یہ حملے بت شکنی کے لئے نہیں حصول زر کے لئے تھے اور اس مقصد میں وہ اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب رہا۔

نظم صوبۂ پنجاب

محمود نے پنجاب کو سلطنت غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامات اختیار علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابو الحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے۔ اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی ارسی یارک کو مامور کیا۔ لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا، یہ دونوں براہ راست غزنی کے ماتحت تھے۔ اور پرچہ نویسی پر ابوالحکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا اس کو غزنی پیارا تھا۔ اور اسی کو اس نے آباد کیا تاہم ہندوستان سے اس کو ایک

Marfat.com

رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفہ بغداد کو بھی اعتماد پر دھمکی دینے سے باز نہ آیا۔ اور الفیل ما الفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنایا۔ اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکہ ہندی زبان میں جاری کیا۔ اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تلک بھی رکن سلطنت تھا۔

محمود کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت کا فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود عالم، شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوسی سے شاعر البیرونی سے حکیم اور اس کے عہد کے علماء اور فضلا کا مجمع رہتا تھا علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرمانروا تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان

Marfat.com

Marfat.com

والد سائل ولہ شعر جید بھی اچھے ہوتے ہیں۔
اس کی مشہور تصنیف التفریدیہ ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تاتار خانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔
تاریخ الفنسٹن میں ہے:۔

"محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا۔ مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا اور طلبہ اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آیا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر نہ حاصل تھا۔[1]

---

[1] تاریخ الفنسٹن ترجمہ اردو صفحہ ۵۵

Marfat.com

کتب خانہ محمود نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ

"در جوار آں مسجد مدرسہ بنا نہاد و بنفائس کتب و غرائب نسخ موسع گردانید دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود"[ع۱]

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی مجلس و مباحثے علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث و کلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔ چنانچہ استوا علی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہیثم اور محدث و فقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کرایا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا اسے قبول کیا۔[ع۲]

فکر سخن محمود خود بلند مرتبہ کا شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس کا عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء دامن دولت سے وابستہ تھے۔ ابو الحسن علی بن قلوغ خرمن۔ حسن بن اسحاق فردوسی۔ منوچہری۔ وامقالی وغیرہ۔

حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ

"محمود علماء و شعراء کا قدردان تھا۔ چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف کیا کرتا تھا۔"[ع۳]

ع۱ فرشتہ صفحہ ۳۰ مطبوعہ نولکشور۔ ع۲ البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۔ ع۳ تاریخ گزیدہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۵

Marfat.com

ایک نو وارد شاعر کو تین ہزار موتی محمود نے عطا کئے۔ عنصری نے
اس واقعہ کو لکھا ہے ؎

بیک عطا کہ ہزار ان گہر بشاعر داد کز آں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

سلطان محمد

سلطان محمد (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) محمود کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس کے بھائی مسعود نے جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سوبندرائے کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس جنگ میں کام آیا۔ تاہم معلوم ہوا کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج و تخت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ سوبندرائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا۔ اور میدان جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود

سلطان مسعود (۴۲۱ھ - ۴۳۲ھ / ۱۰۳۰ء - ۱۰۴۱ء) کو ہندوستان کے نظم حکومت میں محمود کے قائم کئے ہوئے دوعملی نظام سے سابقہ پڑا، یہ دوعملی نظام پنجاب میں نہ چل سکا۔ قاضی شیرازی اور علی اری یارک میں اختلاف پیدا ہوا۔ وزیر غزنی نے یارک کو شیریں گفتاری سے پایہ تخت بلوایا۔ اور ۴۲۲ھ / ۱۰۳۱ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا۔ پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیا لتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۴ھ / ۱۰۳۲ء میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی کی اس کو فتح کر لیا۔

سلطان مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام

Marfat.com

کی جنگ پھر شروع ہوگئی۔ مگر وزیر اعظم غزنی نے اس مرتبہ نیا لتگین کی حمایت کی۔ اس نے قاضی شیرازی سے بے پرواہ ہوکر ہندوستان پر فوجی حملہ کردیا۔ اور سرعت سے بڑھتا ہوا بنارس تک پہنچ گیا۔ اس شہر کو لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنی اطلاع دی کہ نیا لتگین نے بلیشمار دولت حاصل کی ہے خود مختاری کی طرف مائل ہے اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہے۔ نیا لتگین نے واپس آکر قاضی کو قلعہ میں قید کردیا۔

سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ ۱۰۳۴ء میں احمد نیا لتگین کی سرکوبی کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی سرکوبی کے لئے ایک دوسری فوج بھیجنی چاہی، مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھکر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑا اٹھالیا۔

تاریخ بیہقی میں ہے سالار تلک سوبندرائے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم خیمہ اور چتر عطا ہوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیا لتگین فرار ہوچکا تھا۔ اس نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ درہم مقرر کی، پھر چن چن کر اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انہوں نے نیا لتگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کرلیا۔ پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہوئے نیا لتگین کو بھی پکڑلیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے رضاکارانہ

Marfat.com

حصہ لیا۔

اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء میں ہندوستان کا رخ کیا اور قلعہ ہانسی اور سونی پت پر قبضہ کیا۔ اور اپنے لڑکے مجدود کو پنجاب کا گورنر بنا کر غزنی واپس گیا۔ اور ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی زمانے میں دوسری طرف سلجوقیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا، اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنی تک آ رہا تھا۔ مسعود نے اس ابھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا۔ اور ۴۳۲ھ ۱۰۴۰ء میں مرد کے میدان میں اس کو فاش شکست ہوئی۔ مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا اور اس نے غزنی اپنے پایۂ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا۔ تین سو اونٹوں پر زر و جواہر اور مال و دولت کا انبار لاد کر چلا۔

ہندوستان کی دولت ہندوستان کو آ رہی تھی کہ اثنائے راہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ خزانہ لوٹ لیا۔ سلطان کو حراست میں لے لیا اور اس کے نابینا بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا۔ اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کے قتل کے بعد اس کے بیٹے۔ مودود نے غزنی میں تخت نشینی اختیار کی اور ۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء میں حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کیا۔ ہندوستان کے امراء مودود اور محمد کی کشمکش میں محمد کے طرفدار تھے۔ اس طرح پایہ تخت غزنی اور ہندوستان کے امرائے

Marfat.com

غزنی کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود

سلطان مودود (۴۳۲ھ / ۱۰۴۱ء - ۴۴۱ھ / ۱۰۴۹ء) اس کے باوجود ہندوستان کے امرائے غزنی سے مرعوب نہیں ہوا۔ اس نے ابونصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود ملتان سے لاہو آیا اور ہانسی اور تھانیسر تک کا دورہ کر کے واپس آیا۔ اس اثنا میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھکر اس کے بھائی مجدود نے مودود سے ناراض ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ مودود نے ۴۳۵ھ / ۱۰۴۲ء میں پنجاب پر فوج کشی کی، مگر مجدود نے لاہور کو بچا لیا لیکن اسی اثناء میں مجدود اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا۔ اس کا دست راست ایاز بھی مر گیا اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آگیا۔

ہندوستان میں جذبہ وطنیت

غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا، ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا نیا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزیں تھے۔ خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے۔ تقدیر نے یاوری کی، راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۴۳۵ھ / ۱۰۴۲ء ہی ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا۔ ان میں سے صرف نگرکوٹ پر اپنا قبضہ رکھا انہوں نے اس کو بھی واگذار

Marfat.com

کرلیا جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آنے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ وہی اور مضافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کر کے اُٹھے راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے سنہ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں۔ لیکن ہانسی تھانیسر اور نگرکوٹ کے قلعے قبضہ میں نہ آسکے۔

سلطان عبدالرشید

مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقے کو قبضہ میں لے لیا اس اثنا میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید (سنہ ۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء - سنہ ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء) نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلا لیا اور اسکی جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگین حاکم پنجاب

غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگین گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔

اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگر کوٹ پر دوبارہ قبضہ کر

سلطان فرخ زاد

اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود (۴۴۴ھ ۱۰۵۲ء تا ۴۵۱ھ ۱۰۵۹ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا۔

سلطان ابراہیم

اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود (۴۵۱ھ ۱۰۵۹ء تا ۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس حکمرانی کی لیکن اپنے پورے دور حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی۔ آخری مرتبہ ۴۷۲ھ ۱۰۷۹ء میں آیا اور اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ رو پر پر دھاوا کیا، اسی طرح ردپال اور نیتی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم

سلطان مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء تا ۵۰۸ھ ۱۱۱۴ء) اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طغا تگین بنایا گیا۔

طغاتگین حاکم پنجاب

گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان

مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان (۵۰۸ھ ۱۱۱۴ء تا ۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء) کا دور آیا۔ اس زمانے میں

Marfat.com

غور و خوارزم نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سنجر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان چلا آیا، اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پایہ تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجر نے واپس آ کر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا جہاں سے پکڑ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا۔

محمد باہیم والی پنجاب اس زمانے میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رہا۔ اور پایہ تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۵۱۱ھ تا ۵۴۷ھ / ۱۱۱۷ء تا ۱۱۵۲ء) سلطان سنجر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا۔ غزنی کے تخت پر بیٹھا محمد باہیم نے غالباً ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے (۵۱۴ھ / ۱۱۲۰ء) میں ہندوستان آیا محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا، مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا، اور عظیم الشان

Marfat.com

لشکر فراہم کرلیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آرا رہا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال

اس اثنا میں اس کو اپنی طاقت پر پھر اعتماد ہو گیا اور غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی، پسند نہیں کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا، ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب

سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آیا، پھر موقع پاکر واپس گیا۔ اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی

لیکن پھر ۵۴۴ھ / ۱۱۵۱ء میں علاءالدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کرلیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے "جہاں سوز" کا لقب پایا، سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کرسکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آکر ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء میں اس دنیا سے چل بسا۔

خسرو شاہ

اس کے لڑکے خسرو شاہ (۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء - ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء) نے غزنی ہی میں اپنا تخت بچھانا چاہا، مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

Marfat.com

غزنوی سلاطین کا مامن ہندستان

اب غزنویوں کا مامن یہی ہندوستان تھا۔ اور ان کا پایہ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو

خسرو شاہ نے ۵۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی ملک خسرو (۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء۔ ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) میں اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے بیس برس امن وامان سے اپنے مقبوضات ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی دعوت شہاب الدین غوری کو

~~اس اثنا میں~~ سلطان شہاب الدین غوری کا آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی۔ اور یہی راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی، یہاں کے راجہ چکردیوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے۔ اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر ۵۷۶ھ/۱۱۸۶ء میں لاہور پر فوج کشی کی خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا۔ اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا، ۵۸۰ھ/۱۱۸۶ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کرکے اس کو مستحکم کیا۔

آل سبکتگین کا زوال

اس کے بعد ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں وہ پھر لاہور آیا اور خسرو ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کرکے غزنی لے گیا۔ وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔

جہاں اس نے ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں ہندو و مسلم حکمرانوں کا اشتراک

اس طرح ہندو و مسلم دونوں حکمرانوں کی باہمی صلاح و اشتراک عمل سے ہندوستان میں آل سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

غزنوی سلاطین کے دور میں ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرت عام رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے۔ اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں پیشتر خود صاحب علم و فضل تھے۔ سلطان محمود کی فتح مندیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوان کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔ فردوسی، اسید طوسی، عجدی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری وامغانی وغیرہ میں سے ہر ایک اقلیم سخن کا تاجدار تھا۔ دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شعرا اس کے دامن فیض سے وابستہ تھے، مگر انکے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آسکا بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے مگر عرب تذکرہ نگاروں نے تتمتہ الیتیمہ و یتیمہ القصر اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا

Marfat.com

تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر محمود، صاحب تاج وتخت نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہل علم میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الخلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود اعیان فقہار میں سے تھا، اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا، علم و فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں ہے بھی ممالک غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علمار سے معمور تھی وہ علم حدیث کا شائق تھا۔ علمار اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا۔ اسی طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت سے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے۔ اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ سلطان مسعود بھی علم وعلمار کا قدردان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لئے تصنیف کی گئیں۔ فنون ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناصی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں شعرار کا بھی قدردان تھا۔ اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم وفن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک

Marfat.com

مصحف اپنے ہاتھ سے لکھکر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی گئی ہیں۔ نظامی گنجوی نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لئے لکھی کلیلہ دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے۔ اور ابو المجید مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے۔ اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابو الفرج بن مسعود متوفی ۴۸۴ھ رونی اور مسعود بن سلمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ رونی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عوفی کے بقول انوری جیسا قصیدہ گو شاعر اس کا متبع تھا۔ رونی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ رونی کی طرف تھا۔ سعد بن سلمان کو سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر معمور کیا۔ اور وہ یہاں کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی، سلطان ابراہیم

Marfat.com

عہد میں امتیاز حاصل کیا، علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا۔ اور شعراء کی قدردانی کرتا رہا۔ ۴۷۵ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد جب معافی ملی تو ہندوستان آکر خانہ نشین ہوگیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے۔ جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایونی کے زمانے تک موجود تھا۔ ابوالعلاء عطاء بن یعقوب متوفی ۴۹۱ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تصوف کا بھی ذوق تھا کشف المحجوب میں ذکر آیا ہے۔

علماء و محدثین قضاۃ

اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہل علم میں سے تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ ہیئت، نجوم اور فلسفہ ہنود میں استاد فن مانا گیا، اسی عہد میں گذرا ہے

Marfat.com

بیرون، سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا، جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصرین میں سے تھا۔ اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے وہ سالہا سال ہندوستان میں قیام پذیر رہا اس کی تصنیفات کتاب الہند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ شہرت عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابوجعفر عمر بن اسحٰق واشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ عوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔ شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۸۱ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابوموسیٰ مدینی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمظفر سمعانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی حموی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے ۵۴۰ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی ابو نصر ہبیۃ اللہ فارسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخرالدین حسین زنجانی لاہوری کا اسم گرامی سرفہرست آسکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری

کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علوم دین اور راہ سلوک میں شان امتیاز رکھتے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لاکر لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے، اسی شب میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمانی ہجویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شان امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے راہ سلوک طے کی، پھر مختلف ممالک اسلامی کی سیاحت کی، اور ممتاز اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و صالحین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو مستقر بنایا گنج بخش و داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۴۶۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت داتا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علوم تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سامنے رکھا اور آج قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین، کتاب الفناء والبقاء، اسرار الخلق والمونات، کتاب البیان لاہل العیان، بحر القلوب اور الرعایہ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ سرزمین ہند میں پیدا ہوئے، بغداد تشریف لے گئے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہونچایا، ۵۷۷ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السنہ لقتۃ الدین یوسف بن محمد در نبوی افاضل روزگار میں سے تھے۔ خسرو ملک کے زمانہ میں درجۂ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے، اور لاہور میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے، جوانی میں شعرو شاعری کا بھی مذاق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔ اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابو یکہ گردیزی اس عہد کے اکابر فقہا میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلائق بنے۔ ۵۳۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن ینالتگین متوفی ۴۲۵ھ تھا جس کا ذکر اوپر تفصیل سے گزر چکا۔ اسی طرح اریاق الحاجب بھی محمود کا غلام تھا، اس کے زمانے میں لاہور کا

Marfat.com

والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول سنہ ۴۴۲ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ محمود کا مشہور غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہوگیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ایاز و محمود کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجدود کے ساتھ سنہ ۴۲۷ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا، امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں سنہ ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔ نوشتگین حاجب اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید نے ہندوستان میں مامور کیا تھا۔ طغا تگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ اسی طرح محمد باہیم حاجب متوفی سنہ ۵۱۱ھ کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ حضرت سالار مسعود غازی المقتول سنہ ۴۲۴ھ اس عہد کے ممتاز اعیان و سالار فوج میں سے تھے[1]

---

[1] لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ التواریخ بدایونی۔ عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی صفحہ ۱۰۱

Marfat.com

سلطان معزالدین محمد بن شام غوری

غوری سلطنت کا بانی عزالدین حسین عربی و ایرانی مخلوط النسل کے قبیلہ سے تھا جو آل شنسب کہے جاتے تھے۔ ۴۹۳ھ ۱۰۹۹ء میں خودمختار حکومت کی بنا عزالدین نے ڈالی اس کا پوتہ معزالدین محمد بن شام مشہور شہاب الدین تھا جس نے غزنی کو فتح کیا جس کی وجہ سے صوبہ دار بنا۔ پھر اپنے برادر سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا تھوڑے عرصہ میں اس نے خود اور اپنے گورنروں کے ذریعہ پشاور سے بنگال تک علاقہ زیرنگیں کرلیا۔ دوسری طرف ملتان و سندھ میں اپنا اقتدار بٹھایا۔

سلطان معزالدین ۵۳۲ء میں غور میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی حکمران غور کا تھا اس نے بدو شعور کے بعد سے ہی اپنی حرب دانی کی وجہ سے سپہ سالار کے عہدہ تک پہنچ گیا۔

معزالدین نے عنان حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے مثل فتوحات کا داعی ہوا۔ غزنوی حکومت کا دائرہ جہاں تک تھا اس حصہ کو پہلے قبضہ میں لانا چاہا چنانچہ پنجاب پر پہلے اس کی توجہ تھی اس کے علاوہ قرامطہ جنہوں نے الحاد پھیلا رکھا تھا ان کے وجود سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

Marfat.com

قرامطہ کا استیصال | چنانچہ سب سے پہلے سلطان ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء میں ملتان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے پہونچ گیا۔رانی کی لڑکی سے شادی کی۔ملاحدہ گجرات کے بگھیلے راجہ بھیم دیو کے پاس جمع ہو گئے تھے۔سلطان نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ملاحدہ روپوش ہو گئے اور ان کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

غزنوی سلطنت کو مٹانا | اس کے بعد اس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت کے نشان کو مٹانے کے لئے پے درپے حملے کئے،اس غرض سے اس نے جموں کے راجہ بکر دیو سے دوستی کر لی تھی اور اسی کی دعوت پر آکر غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر پناہ پر دستک دی اور ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔دو سال کے بعد اس نے لاہور پر چڑھائی کی۔پھر ۵۸۱ھ/۱۱۸۶ء میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور اس کے دوسرے سال سیالکوٹ پر گزرا۔بالآخر ۵۸۲ھ میں اس نے لاہور فتح کر کے غزنوی شاہزادہ خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندوستان سے غزنوی سلطنت کا نشان مٹ گیا۔

ہندوستان میں مستحکم سلطنت کی بنا و تاسیس | تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے

Marfat.com

لئے اس نے سب سے پہلے ۵۷۴ھ (۱۱۷۸ء) میں گجرات پر چڑھائی کی اور اسکے صدر مقام نہلواڑہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ مول راج اور اس کے چچا راجہ بھیم بگھیلا نے اس کو شکست دی، دوسرا حملہ اس نے ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں بھٹنڈا پر کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ یہ مقام دلّی کے راجہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کی واپسی میں جو پرتھوی راج نے اس کا تعاقب کیا۔ تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا غوری نے شکست کھائی اور بھٹنڈا اس کے قبضہ سے نکل گیا۔ ایک سال کے بعد ۵۸۸ھ (۱۱۹۳ء) میں سلطان دوبارہ آیا۔ اور اسی تراوڑی کے میدان میں ان ہی دونوں کا دوبارہ مقابلہ ہوا۔ پرتھوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجمیر کی سلطنتیں اس کے قبضہ میں آگئیں۔ اور مشہور قلعے سرستی، ہانسی، سمانہ اور سکرام وغیرہ اس سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے پرتھوی راج کے قدیم خاندانی اعزاز کو برقرار رکھا اور اس کے لڑکے کو اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت بنا کر غور واپس چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے پہلے سکرام بھرولی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر فتوحات میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں ۵۸۸ھ (۱۱۹۳ء) میں میرٹھ فتح ہوا اور ۵۸۹ھ (۱۱۹۴ء) میں علی گڑھ قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ (۱۱۹۵ء) میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان آیا اور اٹاوہ کے قریب چندوار میں

Marfat.com

قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی۔ اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ اور قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کے حدود میں داخل ہوگیا۔ پھر قطب الدین ایبک نے ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں گجرات کے پایہ تخت پٹن کو فتح کیا۔ اور ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں اس نے انہلواڑہ لوٹا۔ اور راجہ بھیم نے شکست کھائی۔ پھر تیسرے سال ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے لئے نائب حکومت مقرر کرکے چلا آیا۔ مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا۔ دوسری طرف ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں چندولائی آبو اور ناگور کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر ایبک نے سب کو شکست دے دی۔ اسی طرح ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں اس نے بیانہ کو فتح کیا۔ اور گوالیار کا محاصرہ کرلیا۔ وہاں کے راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۵۹۶ھ/۱۱۹۹ء میں بہار کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایہ تخت ندیا پر قبضہ کیا۔ اور دوسری طرف کالنجر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا۔ اس نے اطاعت قبول کی، پھر مہوبہ کالپی اور بدایوں اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات

سلطان کھوکھر قوم کے فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان آیا تھا انہیں مطیع کیا[1] ۲۵ فروری ۱۲۰۶ء کو

---

[1] ہندی قرون وسطی جلد دوم صفحہ ۲۰۷

Marfat.com

لاہور میں داخل ہوا۔

۳ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ء کو جب سلطان لاہور سے میک (دہمک ضلع جہلم) میں پہونچا تو بقایا عمرو بن گذاری ملاحدہ نے جو لشکر میں خدمت دربانی پر مامور تھے۔ موقعہ پا کر انتقاماً سوتے میں چھریوں سے شہید کر ڈالا[۵۱]۔ لاش غزنی لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔ طبقات ناصری میں سنہ وفات یہ ہے:۔

شہادت ملک بحر و بر معز الدین | کز ابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرہ شعبان بسال شش صد و دو | فتاد در رہ غزنین بمنزل دمیک[۵۲]

جانشین سلطان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنر منصب کے فرائض اس کی زندگی میں انجام دیتے تھے۔ اور وہی اس کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دعویدار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین یلدز، سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یلدز نے غور میں اس کی جانشینی کی۔ اور پشاور کے اس پار کا علاقہ اس کے زیر تصرف رہا۔ قطب الدین ایبک دلی کی سلطنت پر بیٹھا اور ناصر الدین قباچہ کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا۔ اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ ابتداءً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی۔ ۶۰۵ھ میں ۱۲۰۹ء

---

[۵۱] گزیدہ مستوفی۔ مبارک شاہی۔ جہان کشائے جوینی۔

[۵۲] طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴

Marfat.com

ایک چڑھائی کرتا ہوا غزنی تک قابض ہوگیا۔ مگر پھر ناکام واپس ہوکر اپنی سلطنت پر قناعت کرنی پڑی، سات سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رخ کیا۔ مگر قطب الدین کے زور آور پنجوں کی گرفت میں آگیا۔ اور بدایوں میں قید کردیا گیا۔ پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دلی کو پایۂ تخت بنائے رکھا۔ دوسری طرف ناصرالدین قباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں، اس سے بھی اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر قباچہ پیش نہ پاسکا۔ بالآخر سندھ کی سلطنت بھی اس نے کھوئی۔ سنہ ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء میں یہ صوبہ دلی کے ماتحت آگیا۔ اور قباچہ نے دریا میں ڈوب کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔

سیرت وکردار

سلطان شہاب الدین متقی دیندار شجاع اور عدل پرور تھا۔ رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا اور ان کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا۔ غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں چار دن اس کی موجودگی میں امیر حاجب وامیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات ومعاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحبِ معاملہ براہ راست توجہ سلطانی کو متعطف کرانا چاہتا تو اس کی سماعت خود کرتا تھا۔ اور قوانین احکام شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے۔ وہ خود صاحبِ علم تھا۔ فقہا وعلما اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے اور فقہ ودیگر علوم دین کے مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ وہ مذہباً شافعی تھا۔ صاحب تفسیر کبیر امام فخرالدین

Marfat.com

رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے
ان سے پیش آتا ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلس وعظ منعق
ہوتی۔ امام رازی کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بن
جاتی تھی۔

علماء و مشائخ

غزنی کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلا بکثرت
موجود تھے جن میں سے بعض اہل علم شہاب الدین
غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی
کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہ
علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندو
تشریف لائے۔ کیتھل میں اقامت اختیار کر کے علم کی خدمت میں مصرو
رہے ۶۱۱ھ میں وفات پائی۔ اس دور کے دوسرے اہل علم شیخ
سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں۔ وہ فقہ، اصول اور علوم د
میں دستگاہ رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ عصر سے
علوم کی تحصیل کی۔ سلطان شہاب الدین نے ۵۸۳ھ میں لاہور کی
قضات عسکر پر مامور کیا۔ منہاج سراج صاحب طبقات ناصری ان
ہی کے صاحبزادے تھے۔ طبقات ناصری اور لباب الالباب میں ذکر
آیا ہے۔ وہ خلیفہ ناصر الدین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی
طرف سے سفیر بھی بنا کر بھیجے گئے۔ واپسی میں ۵۹۰ھ کے بعد مکران میں
وفات پائی۔

Marfat.com

اسی طرح شیخ خطیر الدین محمد بن عبد الملک جرجانی اس عہد کے
[ممت]ناز اہل علم و ارباب صلاح میں سے تھے۔ عوفی کا بیان ہے کہ علم و فضل
[و] زہد و تقوی میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ عوفی نے
[ک]لام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ یوں تو اس دور میں جب ہندوستان
[پر] سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جاری تھے حضرت خواجہ
[اجم]یری و دیگر ممتاز مشائخ کرام یہاں تشریف لائے۔ مگر ان بزرگان
[دی]ن کے فیوض و برکات کا سلسلہ سلاطین دہلی کے دور تک جاری
[رہ]تا۔ اس لئے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہو گا۔[1]

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی۔

سلطان قطب الدین ایبک المعز

سلطان قطب الدین تاتاری تھا۔ کم عمری میں بردہ فروش
کے ہاتھ لگ گیا وہ ترکستان سے لے آیا۔ تاریخ مبارک شاہی
میں ہے :-

"در شہر نیشاپور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز
کوفی کہ از اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ بود
خرید در مرافقت فرزندان او کلام اللہ خواند و تیر اندازی
آموخت چنانچہ در اندک مدت کامل حال گشت چوں بزرگ
شد تجار بحضرت غزنین بر دست سلطان معز الدین
محمد سام فروختند بہمہ باب اوصاف حمیدہ و آثار گزیدہ
داشت فاما چنداں جمال نداشت و انگشت خنصرش شکستہ
بود و در شجاعت و سخاوت نظیر خود نداشت[1]"

معز الدین کی عنایات روز بروز اس پر مبذول ہونے لگیں۔ ایک دن
کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک مجلس عیش و طرب میں اس
بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اس نے اس وقت اس عطیہ کو سب فرا
ملازموں اور اپنے ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس ایک پیسہ

---

[1] تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۳۸

Marfat.com

ما۔ بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور حضوری کا حکم دیا۔ پھر
رآخوری کا عہدہ عنایت کیا۔ غور۔ غزنی اور بامیان کے سلاطین جب
طان شہاب الدین سے خراسان کی طرف لڑنے لگے تو وہاں اس
بہت کارنمایاں کئے اور اس کی شجاعت کی ایک دھوم مچ گئی۔

ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دفعتہً سلطان
ہ کے آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑے
اہی تھے۔ مگر پھر بھی اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور قید ہو گیا
ب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین
سامنے اونٹ پر بٹھا کر اسی صورت سے نکال کر لائے جس صورت
ے وہ قید خانہ کے پنجرے کے اندر رہتا تھا۔ اس نمک حلالی پر
ں کا اور اعتبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو وہی ہندوستان
ں سلطان کا نائب اور قائم۔ سپہ سالار مقرر ہوا۔

ؤصاف

سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی الاصل ہونے
کی وجہ سے شجاعت اور جوانمردی ماں کے پیٹ سے
یا تھا۔ سخاوت اور فراخ دستی اس کی عادت تھی۔ لاکھوں روپے
اضی سے دوستوں کو دیتا تھا۔ اسی سبب سے لک بخش اس کا لقب
ہا۔ شجاعت نے دشمنوں کو زیر کر رکھا تھا۔ اور سخاوت نے دوستوں
و محکوم بنا رکھا تھا۔ وہ ایسا ہر دلعزیز بادشاہ مقرر تھا کہ کوئی شخص اس
ر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لئے

اس نے بہت سے ناطے رشتے کیئے۔ اس سے اس کو بڑی تقویت ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصرالدین قباچہ اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مرگئی تو دوسری بیٹی سے نکاح شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا۔ اس سے بھی ا ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔ ناصرالدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ بزرگ جانتا تھا۔ اور اسی کی طرف سے سندھ پر حاکم مقرر تھا تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا اب تک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھ کر لاہور پر چ اور اس پر قبضہ جمالیا۔ مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ ۶۰۳ھ ۱۲۰۵ء میں قطب نے اس کو غزنی سے باہر نکال دیا۔ اور چالیس روز تک غزنی میں ا ڈنکا بجایا۔ اور تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج یلدوز نے پھر قطب الدین سے غزنی لے لیا اور قطب الدین وہاں لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔

عدالت، انصاف، خوش خوئی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ مشہور تھا۔ اس کی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا۔ ا مرگیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر ہندوستان میں اس انتظام اور بندوبست بہت زور سے تھا اور اس کے بعد بیس بر تک قائم رہا۔

Marfat.com

صاحب تاج المآثر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک ایسا عادل بادشاہ تھا کہ اس کے عہد میں گرگ و گوسفند ایک ہی جگہ پانی پیتے تھے رعایا خوش حال اور مطمئن زندگی بسر کرتی تھی بیجا تعصب بالکل نہ تھا اس کی فیاضی سے ہندو مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ اس نے دہلی میں خوبصورت جامع مسجد تیار کرانا شروع کی جس کی یادگار قطب مینار باقی ہے۔

ایک عدیم المثال فاتح یکتائے روزگار منتظم ہر دل عزیز[1] عادل اور علم و ادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش رو پر سبقت لے گیا تھا۔

مقربین سلطان شہاب الدین نے ایک دن شہاب الدین سے عرض کیا:۔

"قطب الدین ایبک اس شہر کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور عملی بغاوت اختیار کرنے والا ہے۔"

قطب الدین کو اس کی اطلاع ہوئی وہ بہت جلد خفیہ طور پر غزنی میں رات کو پہنچا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے رقیبوں کو اس کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے اپنے تخت کے نیچے چھپا کر بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایبک کے دشمنوں اور حاسدوں کو طلب کیا۔ ان کو اپنی اپنی

---

[1] طبقات ناصری جلد ۱ صفحہ ۲۹۸

Marfat.com

جگہ پر بٹھا کر ایبک کے بارے میں ان سے سوالات شروع کئے۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ ایبک باغی ہے اور سلطنت پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے تخت کے پائے کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ندا دی۔ ایبک نے جواب دیا "لبیک بھی حاضر ہوں وہ اپنے الزام لگانے والوں کے روبرو آیا۔ وہ اس کو دیکھکر متحیر ہو گئے۔ اور زمین پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے فرمایا:۔

"اس دفعہ میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں مگر آئندہ ایبک کی عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو۔

آرام شاہ قطب الدین کے واقعۂ ناگزیر کے بعد امرار سلطنت نے اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے۔ آرام شاہ پسر قطب الدین کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ مگر اس میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی سایک سال سلطنت پر نہ گزرنے پایا تھا کہ حکومت کے اس طرح ٹکڑے اڑ گئے۔

ناصر الدین قباچہ مملکت سندھ پر متصرف ہوا۔ مملکت بنگال میں خلجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر ہندو راجاؤں نے دنگہ فساد پھیلایا۔ امیر علی اسمٰعیل دہلمی اور دوسرے امرار کو جنہوں نے متفق الرائے ہو کر آرام شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ اپنی رائے سے ندامت اور پریشانی ہوئی۔ انہوں نے ملک شمس الدین التمش کو

Marfat.com

جو قطب الدین کا غلام داماد متبنی اور بدایوں کا حاکم تھا آدمی بھیجکر اس سے سلطنت کی استدعا کی وہ اپنی جمعیت لے کر دہلی آیا۔ شہر پر متصرف ہوا۔ آرام شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے لڑائی میں اس کو شکست دی پھر آرام شاہ مرگیا اس نے ایک سال بھی سلطنت نہ کی اور آپس میں ممالک ہندوستان کے چار حصے ہوگئے۔ مملکت سندھ پر ناصر الدین قباچہ متسلط ہوا۔ ممالک بنگال میں ملوک خلجی متصرف ہوئے۔ صوبہ دہلی پر سلطان التمش قابض ہوا۔ حکومت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں رہتی، کبھی ناصر الدین قباچہ متصرف ہوتا اور کبھی شمس الدین التمش کی حکومت قائم ہوتی۔

مقبرہ سلطان سلطان التمش نے سلطان کا مقبرہ لاہور میں تعمیر کرایا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تغلق نے درستی کرائی۔ ۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے گروا دیا۔ اب ایک چبوترہ پر مزار ہے۔

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود وسخا میں مشہور تھا بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی اور داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہوگئے وہ انعام واکرام میں لاکھوں روپیہ تقسیم کرتا تھا جس سے لک بخش مشہور ہوا۔ امام ملک الکلام بہاء الدین روشن

Marfat.com

مدح میں لکھتے ہیں :۔

اے بخش تو لک بجہان آوردہ کانراکف تو کار بجان آوردہ
زر رشک کف تو خون گرفتہ دل کان پس لعل بہا نہ درمیان آوردہ

بڑے بڑے شعراء اور علماء قطب الدین کے دربار سے منسلک تھے بہاء الدین زوش ایبک کے دامن دولت سے وابستہ تھا اور اس کی مدح میں قصیدہ پیش کر کے داد لیتا تھا۔

اے قطب آسمان کہ بسہم زیاس تو در روز رزم رستم خونخوار بشکند

قطب الدین کے ایک دوسرے شاعر نے جس کا نام عوفی نے لب اللباب وغیرہ جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے اس نے بھی قصیدہ لکھا ہے۔

خداوندا شہے گیتی ستانے کہ شاہان جمالش بندگانند

قاضی امام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر الحمودی یہ بھی دربار سے منسلک تھا۔

سید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی عوفی لکھتا ہے :۔

"مدتہا دیوان انشاء سلطان شہید بدار او بود"

ایبک علمی ذوق رکھتا تھا اسکی فرمائش سے صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے تاریخ تاج المآثر لکھی[1]۔ شرف الملک ایبکی قاضی القضات کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ قطب الدین علم پروری اور معارف نوازی میں مشہور تھا

---

[1] نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنا شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ کشف الظنون جلد اول صفحہ ۲۱۱ +

Marfat.com

سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند

خاندانی حالات

سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراختائی سے تھے۔ اس کا باپ قبیلہ اکبری سے تھا۔ اس کا نام ایلم خاں تھا جو اپنے قبیلے میں نامور اور بہادر شجاع شخص تھا۔ خیل وحشم کے ساتھ اس کے جرگہ میں بڑے بڑے بہادر ترک شامل تھے۔[1] التمش کے چند بھائی تھے مگر خوبی سلیقہ مندی اور حسن صورت کی وجہ سے التمش باپ کا نور نظر سب سے زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام بھائی اس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کانٹے کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ التمش کے بڑے بھائیوں نے ایک دن باپ سے شکار کی اجازت لی اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے گئے اور وہاں جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ التمش کو فروخت کر دیا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا۔ صدر جہاں بخاری کے عزیز نے سوداگر سے خرید لیا۔ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر جمال الدین چست قبا کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

التمش کا واقعۂ زندگی

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری جو خواجہ قطب الدین

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۰۴

بختیار کاکیؒ کے استاد تھے۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں اور بہت سے مشائخ صوفیہ قاضی بغداد کے یہاں مہمان تھے۔ پہلے قاضی نے تمام حضرات کی اکل و شرب سے تواضع کی۔ اس کے بعد محفل سماع منعقد کی گئی۔ رات بھر قوالی ہوتی رہی۔ قاضی کے غلاموں میں سے ایک نہایت خوبصورت ترک بچہ تھا جو ساری رات کمر باندھے محفل میں کھڑا رہا۔ کبھی شمع کا گل کترتا تھا کبھی مہمانوں کی خبر گیری کرتا، کبھی اپنے آقا کی آواز پر دوڑا ہوا جاتا اور حکم کی تعمیل کر کے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا۔ اور کبھی آنکھیں بند کر کے قوالی کے اشعار پر جھومتا۔ مشائخ جس قدر شریک محفل تھے سب التمش کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ رہے تھے۔ جب قوالی ختم ہو چکی تو قاضی صاحب نے اپنے معزز مہمانوں سے کہا کہ اس غلام پر توجہ ڈالیے اور دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالےٰ دین و دنیا کی فلاح سے اس کو نوازے۔ یہ سن کر تمام اولیاء اللہ نے التمش کو بلا کر دعائے خیر کی۔

کچھ عرصہ بعد قاضی کو ضرورت پیش آئی۔ اس نے التمش کو پھر حاجی جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حاجی صاحب اسے غزنی لے گئے۔ ان دنوں کوئی ترک بچہ اس سے زیادہ حسین اور عقیل غزنی میں نہ پہونچا تھا۔ اس کا تذکرہ سلطان معزالدین محمد سام سے کیا گیا۔ جمال الدین کے پاس ایک غلام اور تھا جس کا نام ایبک تھا۔ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار دینار تجویز ہوئی۔ سلطان ہر دو کو صرف

Marfat.com

ایک ہزار دینار دے کر خریدنا چاہتا تھا۔ حاجی رضامند نہ ہوا۔ سلطان بگڑ بیٹھا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں کوئی شخص ان غلاموں کو خرید نہ کرنے پائے۔ ورنہ میری مرضی کے خلاف اس کا یہ عمل ہوگا۔ ایک سال اس واقعہ کو ہوگیا۔ سلطان قطب الدین ایبک راجہ ہنروالہ کی شکست کے بعد ملک نصیرالدین جرنیل کے ہمراہ غزنی میں آیا۔ التمش کی خبر اس کے گوش زد ہوئی۔ اس نے سلطان سے خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے کہا غزنی میں تو یہ فروخت نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہاں سے دہلی لے جاکر سوداگر بیچ سکتا ہے۔

قطب الدین غزنی سے دہلی لوٹ گیا اور اپنے وزیر نظام الدین سے کہتا گیا کہ حاجی جمال الدین چست قبا ہمراہ معہ غلاموں کے دہلی آوے۔ چنانچہ یہ لوگ دہلی پہونچے۔ قطب الدین نے ہر دو ترک بچوں کو ایک لاکھ جیتل میں خرید لیا۔ ایک کا نام "طفاخ" رکھا اور بھٹنڈا کا امیر مقرر کیا۔ اور التمش کو اپنی فرزندی میں لے کر میر شکار کیا۔ اس اثناء میں گوالیار فتح ہوا تو التمش کو وہاں کی حکومت دی گئی۔ اس کے بعد برنی اور بدایوں کی حکومت پر فائز کیا گیا۔

فتنہ کھکران کے دفعیہ کے لئے سلطان معزالدین محمد سام وارد ہند ہوا۔ التمش بدایوں سے فوج لے کر پہونچا۔ ان کھکروں نے دریائے جہلم پر زبردست مورچہ بنایا تھا قطب الدین ایبک یہیں پہونچا۔ یہاں التمش نے کھکروں کے مقابل وہ داد شجاعت دی کہ

Marfat.com

کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیش بندی نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پایاب موقعہ پر کھڑے ہو کر اس قدر کھوکروں پر تیر کی باران کی کہ دشمن کے ہوش بھلا دئے۔ آخر ش میدان جیت لیا اس کی مردانگی اور دلاوری سے محمد سام خوش ہوا۔ سلطان قطب الدین سے سفارش کی اور خط آزادی اس کے لئے لکھوایا۔ اور سلطان سے تاکید کی کہ التمش کی تربیت میں کوتاہی نہ ہو یہ آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوگا۔

اس کے بعد سے التمش نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے اور اپنے قوت بازو سے مرتبہ امیر الامرائی پر پہونچا۔

شادی سلطان قطب الدین ایبک کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دختر کو التمش کے عقد نکاح میں دیا۔ اس خاتون بزرگ سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی اور چند صاحبزادے ہوئے۔

تخت جلوس سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی موت سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا۔ مگر اس کی ایک سالہ حکومت میں علاقہ دہلی کے اجزاء بکھرنے لگے تو امیر علی اسمٰعیل سپہ سالار اور امیر داد دیلمی و دیگر اعیان سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے التمش سے استدعا کی کہ دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالے۔ چنانچہ التمش معہ لشکر کے بدایوں سے دہلی آیا۔ اور تخت پر

Marfat.com

۶۰۷ھ میں جلوس کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین التمش رکھا۔ وزیر نظام الملک کو قرار دیا۔

بیعت

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ:۔

"لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہہ قاضی وجیہہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے فرش کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ قاضی اور فقہاء نے اس کو پڑھا اور سب نے بیعت کر لی[1]"

بادشاہت حاصل کرنے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ دربار میں اہل علم کو جگہ دی گئی۔ خود بادشاہ فقراء کا گرویدہ تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے حسن عقیدت رکھتا تھا۔ علماء کے زیر اثر شریعت کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ شرع کے خلاف امور بند کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے۔ لیکن جب سماع سننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا۔ جس مکان میں محفل سماع ہو گی اس مکان کا مالک جوابدہ ہو گا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ

---

[1] عجائب الاسفار ابن بطوطہ جلد دوم

کوئی شخص اپنا مکان مجلس سماع کے لیئے نہ دیتا تھا۔

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری دہلی آئے۔ ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ اگر چند دن نہ سنتے تو کیف۔ گی طبیعت میں رہتی صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سنے عرصہ ہو گیا تھا۔ اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک مکاندار سے معاملہ کیا کہ وہ مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے۔ مکاندار راضی ہو گیا۔ اور میں نے اس مکان میں محفل سماع شروع کرائی۔ قوالی کی آواز پر محتسب آگیا اور اس نے تمام اہل مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے۔ اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محتسب نے جواب دیا۔ جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے۔ برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلے چلیئے۔ میں نے مناسب خیال کیا۔ بجائے محتسب سے الجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ محتسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہونچا۔ وہ دربار میں بہ شان و شوکت بیٹھا ہوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھا رہی تھی۔ سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے۔ دوسری طرف علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہ پایا اور یاد آگیا

Marfat.com

یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لئے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔ سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا۔ سلطان نے کہا "کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلس سماع میں نے اپنے پایہ تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے"؟ میں نے کہا "مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے اہل مجلس یا صاحب مجلس ذمہ دار نہیں ہے اس لئے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں"۔

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا۔ اور اس نے کہا تم میرے سامنے حیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دوسروں کے مقابلہ میں سخت سزا دینی چاہیے۔

یہ بادشاہ کا بیان سن کر میں نے کہا اور سلطان بھی میری سزا میں جو میرے لئے تجویز ہے۔ برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم ہے۔ جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان بھی ساری رات قوالی سنا کیا اور اس پر وجد بھی طاری ہوا تھا۔

سلطان یہ سن کر طیش میں آگیا اور کہا "تم جھوٹ بولتے ہو میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی" میں نے کہا "سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سنئے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور چشم دید اور گوش شنید گواہی

Marfat.com

دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سنتے اور جھومتے ہوئے دیکھا۔" میری اس بے باکانہ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا۔ قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا:۔

"قاضی! یہ ذکر کب کا ہے؟"

میں نے کہا "سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چاروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں۔ اور جب عالم غیب کے دربار میں ان اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس وقت میں بھی وہاں تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ محفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔"

سلطان التمش نے قاضی صاحب کے سامنے نظریں جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ کر کہا "تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا؟" میں نے کہا "اے سلطان یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے۔ میں بغداد کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا۔ مگر اے سلطان اس رات بھی آپ غلام نہ تھے اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر میں جو مایوس غلاموں کو آزاد کرتا رہتا تھا اس رات بھی آپ کی صورت و سیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے۔"

سلطان آبدیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے

Marfat.com

نزدیک آکر بیٹھئے اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا۔ اور کہنے لگا "مجھ کو ایک ایک کر کے سب باتیں اس رات کی یاد آگئیں۔ اور مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر و اجابت نے مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے۔ اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا۔" اس کے بعد حکم دیا کہ "ہم نے اپنے پہلے دونوں احکام منسوخ کئے۔ آئندہ محفل سماع کی روک ٹوک نہیں ہے۔ تمام اہل مجلس رہا کیے گئے۔" قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا "حضور کا قیام کہاں ہے؟" قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ٹھیرا ہوا ہوں۔ سلطان سن کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں ان کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد ہیں تو میرے بھی استاد ہیں۔ آپ کو بعزت و احترام رخصت کیا۔ جب کبھی قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے تعظیم و توقیر سے پیش آیا کرتا۔

واقعۂ سخاوت

جواہر فریدی سے نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلا تو ناصری شاعر ایک قصیدہ سلطان کی شان میں لکھ کر لایا۔ یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت و فضل و کمال کا شہرہ سنا۔ ایک قصیدہ حضرت کی شان میں بھی لکھا۔

Marfat.com

اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قصیدہ پڑھکر دعا چاہی کہ بادشاہ کی سرکار سے مجھکو خطیر ملے۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا کہ تجھ کو بہت ملیگا۔ جب دربار میں ناصری پہونچا قصیدہ پڑھا سلطان اس کو سنتے سنتے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ناصری نے یہ دیکھکر حضرت خواجہ قطب الدین کی طرف توجہ کی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجہ ہوا قصیدہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ۵۶ ہزار روپیہ اس کو عطا کیا۔[۱]

ابتدائی زندگی کا واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بازار بھیجا۔ میں بچہ تھا۔ نقدی کہیں گر گئی مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا۔ ایک درویش آپہنچا۔ سبب گریہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا۔ اور درویشوں کو بھول نہ جانا۔ ان کی عزت اور تعظیم کرنا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ و عنایت سے ملی ہے۔[۲]

---

[۱] سوانح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ مہ [۲] ہندوستان کی اسلامی تاریخ صفحہ ۲۰۴

Marfat.com

حملۂ ملحدین

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحدین نے تلوار کھینچ کر جبکہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے جامع مسجد میں گھس آنے کی کوشش کی۔ کئی ایک بے گناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچا لیا اور تمام مسلمانوں نے ملحدوں کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۷ھ سے لیکر ۶۲۴ھ تک التمش امرائے ترک معزبیہ و قطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کر سکا چنگیز خاں جس نے خوارزمی غور۔ ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا اس کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر و ہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔ اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست دے کر بدایوں میں قید کر دیا۔ اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔

Marfat.com

چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہوسکا تمام خدشات سے مطمئن ہوکر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگال پر چڑھائی کردی۔ غیاث الدین حوض خلجی خود مختار سلطان تھا۔ وہ التمش سے مرعوب ہوگیا اور اطاعت کی۔ تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد پیش کیا اور خطبہ و سکہ التمش کا جاری کیا گیا۔

جنگیں

سلطان التمش سے سرداران ترک فرخ شاہ وغیرہ نبرد آزما ہوئے مگر اس کا چراغ دولت نور تائیدالٰہی سے روشنی قبول کئے ہوئے تھا۔ نامی سردار ترک سامنے آئے اور ہار گئے۔

سلطان تاج الدین یلدوز نے جو غزنی کا بادشاہ تھا شاہی مراتب معہ چھتر التمش کے پاس بھیجے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس کے بعد سے جہاں فوج کشی کی کامیاب ہوا۔ ۶۲۴ھ میں قلعہ مندو پر لشکر کشی ہو "جملہ سوالک" اپنے قبضہ و دخل میں لایا۔ امیر روحانی جو اس عہد کا فاضل تھا چنگیز خاں کے مظالم سے تنگ آکر بخارا سے دہلی آگیا تھا ان فتوحات پر تہنیت کے اشعار کہے ان میں سے یہ ابیات ہیں۔ ؎

خبر باہل سما برد جبرئیل امین — زفتحنامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا را — بدیں بشارتے بندید کلۂ آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام — کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین

شہہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را　　روانِ حیدر کرار میکند تحسین (ماثر)

خلعتِ عباسیہ

۶۲۶ھ میں عرب کے ایلچی خلافت کا لباس سلطان کے لئے لائے۔ شرط اطاعت و آداب بجا لایا اور خلفائے عباسیہ کا لباس زیب جسم کیا اور خوشی میں شہر کی آئین بندی کی۔ امراء کو خلعت فاخرہ سے نوازا بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ گوالیار مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ چنانچہ خود گوالیار کی طرف عزیمت کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیوبل جو قلعہ کا والی تھا بادشاہ کی یلغار دیکھ کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ قلعہ سلطان کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ملک تاج الدین جو منشئ مملکت تھا اس نے قلعہ کی فتح پر رباعی کہی ؎

ہر قلعہ کہ سلطانِ سلاطین بگرفت　　از طوق خداوند نصرت دین بگرفت
آں قلعہ گوالیار و آں حصن حصین　　در شمائتہ سہ ثلاثین بگرفت

۶۳۱ھ میں مالوہ کی طرف یورش کی اور قلعہ بھلہ کو مسخر کر کے شہر اجین کو زیر نگیں لایا اور بتخانہ مہاکال جو مثل صنم کدہ سومنات جو تین سو برس میں تعمیر ہوا تھا۔ اور قلعہ کی طرح مستحکم تھا اس کو مسمار کیا۔ بکرماجیت کی مورت اور مہاکال کی مورتیں برنجی پر جم کانٹے سے ڈھلی ہوئی تھیں۔ اٹھا کر دہلی لے آیا۔ اور جامع مسجد کی سیڑھیوں میں لگا دیں۔ پھر ملتان کی طرف فوج کشی کی۔ یہ سفر نامبارک ہوا

مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ اعیان سلطنت عماری میں بٹھا کر دہلی لائے ۲۰ر شعبان ۶۳۳ھ کو عالم عقبیٰ کو راہی ہوا اور حوض شمسی میں دفن ہوا۔

علمی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ..... علمی و روحانی مدارس نے اس کے عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ آج ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب وارد ہند ہوا تو مرج کے کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور بعد میں التمش کے ساتھ دلی آیا۔ لاہور۔ پنڈا۔ بدایوں۔ اودھ لکھنوتی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور ذاتی مدارس کھلے تھے۔ خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا معلمین کو تنخواہ اور متعلمین کو اخراجات تعلیم دیئے جاتے تھے۔ اور مفت تعلیم ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازت تعلیم تھی۔ گو ہندوؤں نے اس عہد میں توجہ نہیں کی۔ آگے چل کر واقف ہوئے اور انہوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

روحانی مدارس و اشاعت اسلام

روحانی مدارس اس وقت خانقاہیں تھیں جن میں علمی تعلیم دی جاتی تھی بڑی خانقاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی تھی زہد و ورع تقویٰ و طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی۔ یہاں کے طلباء کو فقر و فاقہ تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت

Marfat.com

ڈلوائی جاتی۔ یہ لوگ پہاڑوں، جنگلوں، دشت و بیابان میں بھی ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گذارا کر سکتے اور اسلامی مشنری کا کام دیتے تھے۔

التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض و جواد مہمان نواز، غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امراء، فضلاء، علماء، سلاطین تاتار، خوارزمی و غور خراسان و ایران بغداد و عراق سے جان بچا کر دہلی آئے۔ سب کی غور و پرداخت حسب مدارج کی گئی اور ان کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ ملازمت۔ جاگیر و معافی۔ تنخواہ و وظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی گئی اور غریب الوطن شرفاء کے معاونت میں چنگیز خاں جیسے جابر و قاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ اور اپنی ذات اور فوج سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خاندانی شہزادوں اور امراء کا اس قدر جمگھٹا ہوا کہ دہلی میں ان کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے۔ فضلاء و علماء و مشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی صناع و اہل حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت اور حرفت میں بڑی ترقی ہو گئی۔

بخارا، غزنی، خوارزم کے قدر دان سلاطین نے جن کاریگروں نے

اقطار عالم سے چن چن کر اپنی سلطنت کی دولت وعظمت کو بڑھایا تھا وہ سب اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہونچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن ومعاشرت، صنعت وحرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

آداب الحرب والشجاعة

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں فنونِ حرب کے مسائل ومباحث پر ایک کتاب "آداب الحرب والشجاعہ" تصنیف ہوئی۔ اس کا مصنف فخرالدین محمد بن مبارک شاہ المعروف بفخر مدبر سلطان معزالدین محمد بن سام اس مصنف کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق تک پہونچتا ہے۔ ان کی ماں امیر بلکا تگین کی اولاد سے تھی جو امیر الپتگین کا حاجب کبیر اور اس کے فرزند ابواسحٰق کا جانشین ہوا ہے۔

اس مصنف نے اس کتاب سے پہلے کتاب شجرۃ الانساب لکھی۔ انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب وعجم اور خلفاء وسلاطین اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں اور مقدمہ میں سلاطین غوریہ کے بعض واقعات ۵۸۶ھ تا ۶۰۲ھ تک کے اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔ اس مقدمہ کو سر ڈینی سن راس نے تاریخ فخرالدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن میں چھپوایا ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ہے اس کی فہرست میں اس کا نام

Marfat.com

آداب الملوک و کفایتہ الملوک ہے۔ پروفیسر محمد شفیع ایم۔اے۔ پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اداب الحرب کے دو اقتباس نومبر ۳۷ء اورینٹل کالج میگزین میں ۶۵ سے ۸۲ تک شائع کئے ہیں۔

فتوحات

التمش کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ بدایوں۔ تہنور حصار۔ لکھنوتی۔ بہار۔ ملتان۔ اچھ۔ دربھنگہ۔ اجین۔ جاجنگر۔ لاہور۔ کہرام۔ بھیلسہ۔ بنارس۔ سلوستان۔ دیول۔ قنوج۔ گوالیار سیالکوٹ۔ جھر۔ مالوہ اتنے ممالک ہند کے سلطان التمش نے اپنے عہد حکومت میں فتح کئے۔

پہلا دربار

فتوحات کے بعد شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء۔ علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار تھا۔

نامور فضلا و علماء

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہل کمال موجود تھے منجملہ ان کے نورالدین محمد عوفی تھا جس نے اس کے عہد میں جامع الحکایات لکھی۔ وہ رضیہ کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کا وزیر

Marfat.com

نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا۔ یہ وزیر خلیفہ بغداد کے دربار میں عہدہ وزارت پر ممتاز رہ چکا تھا۔ وہ کمالات صوری و معنوی میں مشہور ہوا۔ قاضی سعد الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین۔ قاضی جلال الدین۔ قاضی کبیر الدین وغیرہ اپنے وقت کے امام الائمہ تھے۔

التمش کے اوصاف حمیدہ و عدل و انصاف

التمش کے متعلق مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:
"وہ عادل فاضل اور صالح تھا ظلموں کے دور کرنے میں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا چنانچہ اس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا۔

" جتنے مظلوم ہوں سب رنگین کپڑے پہنیں " اس وقت ہندوستان میں سب باشندے سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اس کے قضیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرتا۔ فقط اس نے اپنی اس تدبیر پر اکتفا نہیں کر رکھی تھی بلکہ اس نے فرمایا:۔
" بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہے ان کے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں "

اس واسطے اس نے اپنے دروازے پر سنگ مرمر کے دو شیر برجوں میں رکھوا دئے ان کے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی اور ان میں

Marfat.com

گھنٹی لٹکادی۔ مظلوم رات کو آتے اور ان گھنٹیوں کو زنجیر سے ہلاتے بادشاہ ان کی آواز سن کر خود باہر آتا اور مظلوم کی داد رسی کرتا۔ عدل و انصاف کے واقعات تاریخ میں بہت کچھ تحریر ہیں۔

غرباء پروری۔ مہمان نوازی۔ اسلامی خدمات التمش کی بہت بڑھی ہوئی ہیں گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا۔ مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔ کوئی بد اخلاقی بد وصفی اس سے منسوب نہیں کی گئی اس کو پابندی احکام اسلام نے نمونہ اسلاف بنا دیا تھا۔"

"اولاد"

سلطان کی اولاد بہت زیادہ تھی۔ سلطان ناصر الدین، سلطان رضی الدین۔ سلطان معز الدین بہرام شاہ۔ سلطان قطب الدین محمد سلطان ملک جمال الدین مسعود۔ ملک شہاب الدین محمد۔ سلطان علاء الدین مسعود شاہ۔ سلطان ناصر الدین محمود۔ سلطان غیاث الدین محمد شاہ۔ سلطان رکن الدین فیروز شاہ۔ سلطان ناصر الدین محمود شاہ رضیہ سلطانہ۔

التمش کے پیرو مرشد

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن سید کمال الدین موسیٰ اوشی ۵۶۱ھ میں اوش میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے مولانا ابو حفص

Marfat.com

کے سپرد کئے گئے۔ کم عمری ہیں علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہوئے بغداد جاکر ابواللیث سمرقندی کی مسجد ہیں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی شیخ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ برہان الدین چشتی۔ شیخ محمود اصفہانی سے فیوضات باطنی کا استفادہ کیا۔ خواجہ غریب نواز سلطان ہند نے ہندوستان کا رخ کیا یہ بھی وطن چھوڑ کر ہند پہنچے۔ ملتان میں شیخ ضیاالدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں چند روز قیام کر کے دہلی آئے موضع کیلوکھڑی میں سکونت اختیار کی۔ التمش آپ کا مرید ہوا۔ ناگور سے قاضی حمیدالدین آئے اور حسب الحکم حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین کی تعلیم پر تقرر ہوا۔ بقیہ علوم کی تکمیل کرائی۔ التمش نے چاہا شہر میں قدم رنجہ فرمائیں آپ نے منظور نہیں کیا۔ شیخ اسلام جمال الدین بسطامی نے خواجہ کو دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی شکار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ صبر و قناعت کا صحیح نمونہ تھے۔

شان بے نیازی ملاحظہ ہو۔ گھر میں فقر و فاقہ سے رہتے۔ امرا نذرانہ لاتے ٹھکرا دیتے۔ التمش تک خبر پہونچی۔ اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیلئے بھیجیں کہ حضور انہیں قبول فرمالیں۔ لیکن قطب الہند کی خدمت میں جب یہ نذر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس زر کو واپس لے جاؤ اور سلطان سے کہو میں تمہیں اپنا دوست جانتا تھا۔ اب معلوم ہوا تم میرے دشمن ہو۔ جس چیز کو خدا نے دشمن فرمایا ہے وہ تم دوستوں کو دیتے ہو۔

Marfat.com

حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبۂ خواب سے کسی قدر آرام کر لیا کرتے تھے۔ مگر آخر عمر میں دن رات بیدار رہتے اور چوبیس گھنٹے یاد خدا میں بسر کرتے ایک روز شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ قوال نے حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور اسی میں بروز دو شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو وصال ہوا۔

آثار التمش

سلطان قطب الدین ایبک نے رائے پتھورا کے مندر کو مسجد کی صورت میں کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ بعد اس کے التمش نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اس مسجد کے دونوں طرف جنوباً و شمالاً تین تین در اور بنائے اور رائے پتھورا کے بتخانے کے باہر کے دالان تک مسجد بڑھا دی۔ اس در میں بھی سنگ سرخ کے بہت تختے بنے ہوئے ہیں اور ان پر نسخ اور کوفی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ اور بہت عمدہ بیل بوٹے پھول پتی بنت کاری کے بنے ہوئے ہیں جنوبی دروں کے بیچ کے در کے بائیں بازو پر تاریخ تعمیر کی کندہ ہے۔ ان دروں کی اکثر محرابیں ٹوٹ گئی ہیں۔ بلکہ شمالی دروں میں کا ایک در سارے کا سارا سڑک میں آ گیا ہے۔ جبکہ ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۳۳ء میں سلطان

Marfat.com

نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا۔ اس وقت بتخانہ مہاکال کو توڑ کر وہاں کی مورتیں راج بکرماجیت کی تصویر سمیت دلی میں لاکر اس مسجد کے دروازے کے سامنے ڈال دی تھیں۔ یہ تین تین در ضلع غربی کے جانب، شمال و جنوب کو جو شمس الدین التمش نے بنائے تھے سینتیس سینتیس گز اونچے ایک ایک فٹ لمبے ہیں اور بیچ کا در آٹھ گز چوڑا ہے اور جنوبی ضلع اس کا بت خانے کے قدیم دالان ہیں۔ جو برسی کے لئے بنائے تھے۔ ان کا طول ایک سو بتیس گز سہ فٹی گز سے ہے۔[۱]

قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ماذنہ

اس عمارت کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوشنمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں یہ عمارت ایسی ہے کہ روئے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کر دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی اور ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے سے عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ غرض کہ یہ لاٹ عجائب روزگار سے ہے

---

[۱] آثار الصنادید از سرسید احمد خاں مرحوم

Marfat.com

باوجود اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوبصورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ کے نیچے کے درجے کی ایک کھنڈ مدوّر اور ایک کمر کی ہیں۔ اور اوپر کے دونوں درجے گول ہیں اور تمام سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ مگر چوتھے درجے میں سنگ مرمر بھی ہے اور ہر جگہ منبت کاری اور گلکاری ایسی خوبصورتی سے کی ہے کہ کہ اس کی ہر ایک بیل مسلسل پر ہزاروں معشوقوں کی زلف دوتاں تعریان ہے اور اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پھول پنکھڑی پر سینکڑوں گلرخوں کے لب جاں بخش نثار ہیں۔ مگر اس لاٹ کی بنا پر مورخین نے گفتگو کی ہے۔ مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لاٹ سلطان شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی ہے۔ اور اکثر تاریخ کی کتابوں میں اور کتبۂ عہد سکندر بہلول میں اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش کی لاٹ لکھا ہے۔ اور بعض تاریخوں میں اس لاٹ کو مسجد کا ماذنہ لکھا ہے۔ اور بعض کتابوں میں اس لاٹ کو سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہے۔ مگر اس سبب سے کہ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے۔ برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاؤالدین نے جو لاٹ بنانی شروع کی اس کا شرق رویہ دروازہ رکھا اور نیز اس سبب سے کہ اکثر مسلمانوں کی عادت ہے کہ ایسی عمارت کو کرسی دے کر بناتے ہیں۔ جیسا کہ سلطان علاءالدین نے اپنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع

کیا تھا۔ برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدون کرسی بناتے ہیں، جیسے کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے پتھر کتبوں کے مقام سے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے پیچھے کو لگائے ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ جس طرح اصل بت خانے میں زنجیروں میں گھنٹے لٹکتے ہوئے پتھروں پر کھودے ہیں۔ اسی طرح اس پہلے کھنڈ پر زنجیروں پر گھنٹے لٹکتے ہوئے کھدے ہوئے ہیں۔ اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامے کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر ہے: غالب ہے کہ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا ہندوؤں کے وقت کا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس پہلے کھنڈ میں جہاں جہاں کتبہ کھدا ہوا ہے وہاں بتوں کی مورتیں ہوں۔ اس سبب سے وہ پتھر نکال کر یہ کتبہ جن میں بادشاہ کے نام اور قرآن کی آیتیں ہیں لگائے ہوں جس میں بادشاہ کی تعریف ہے۔ جو بات کہ مدت سے مشہور چلی آتی ہے کہ یہ لاٹ رائے پتھورا نے اپنے قلعہ اور بت خانہ کے ساتھ یعنی سمت ۱۲ بکرماجیت مطابق ۱۱۴۳ء موافق ۵۳۸ھ کے بنائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹی سورج مکھی مذہب تھی۔ اور ہندو جمنا کو سورج کی تیزی کا استاد لکھتے ہیں چنانچہ اس مذہب والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں اس سبب سے جمنا کے درشن کو لاٹ کا پہلا کھنڈ بنا۔

۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں جب یہ بت خانہ مسلمانوں نے

Marfat.com

فتح کیا تو اس پر اپنے نام کے کتبے لگائے اور فضل ابن ابو المعالی کو متولی کیا اور اس کا نام پتھر پر کھدوا کر دروازے کے پاس لگا دیا جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کے ادھر اُدھر تین تین در بڑھائے یعنی ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اسی زمانے میں اس لاٹ کو بھی بڑھایا اور دوسرے کھنڈ کے دروازے پر اس کا حال کھدوایا۔ اور جب سے اس کا نام ماذنہ رکھا اور ہر درجہ پر اسی نام کا کتبہ اور جمعہ کی نماز کی آیت کو کھودا اور معمار کا نام لکھا۔

اگرچہ اب اس لاٹ کے پانچ کھنڈ ہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جس طرح مشہور ہے پہلے اس لاٹ کے سات کھنڈ تھے اور منارہ ہفت منظری کے نام سے بھی یہ لاٹ مشہور ہے اور جہاں اب کٹہرا لگا ہوا ہے۔ وہاں ایسے کنگورے بنے ہوئے تھے جیسے فصیلوں کے ہوتے ہیں۔ اور پانچویں درجے پر ایک درجہ تھا اس کے چاروں طرف دروازے تھے اور اس کے اوپر بطور لمبی برجی کے شل راس مخروط لداؤ تھا کہ ساتواں درجہ شمار میں آتا تھا۔ یہ ساتواں درجہ ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۷ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ مرمت کے وقت میں نے اس لاٹ کو جتنی پہلے تھی اس سے اونچا کر دیا اس لاٹ کی مرمت کا حال پانچویں کھنڈ کے دروازے پر کھدوا دیا اس کے بعد پھر لاٹ مرمت طلب ہو گئی تھی۔ ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں مرمت کی اور

اس کا حال کھدوا کر پہلے دروازے کی پیشانی پر کھدوا دیا مشہور ہے کہ تخمیناً ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں کالی آندھی کے بعد بھونچال کے صدمے سے کے کھنڈ گر پڑے تھے اور اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئے تھے ۱۸۲۹ء مطابق ۵ کے سرکار دولتمدار انگریزی کے حکم سے مسٹر سمٹ صاحب گڈھ کپتان نے اس کی اوّل سے آخر تک مرمت کی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگین کٹہرا بہت مستحکم لگا دیا اور پانچویں درجہ پر برجی کٹہرا بہت خوبصورت بنا دیا اور کھنڈ کی جگہ سنگین آٹھ دری برجی نہایت خوبصورت اور ساتویں کھنڈ کی کاٹ برجی لگائی تھی۔ اور اس پر پھریرا کھڑا کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دونوں برجیاں قائم نہ رہ سکیں۔ اس سبب سے سنگین برجی کو لاٹ پر سے اتار کر کھڑا کر دیا ہے اور کاٹ کی برجی ضائع ہو گئی۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے۔ بالکل غلط بنائے اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنا دی ہے۔ جب غور سے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور چند جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کندہ کر دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی آج تک اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے گئے تھے۔ ہم نے (سر سید نے) سارے کتبے دوربین کی استعانت سے پڑھے ہیں۔ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا بتیس گز ۳۲ انچ اور دوسرا کھنڈ سترہ گز کئی انچ اور تیسرا کھنڈ تیرہ گز اور چوتھا کھنڈ سوا گز اور پانچواں کھنڈ آٹھ گز اونچا ہے۔ اس حساب سے کل اونچائی اس لاٹ کے پانچوں کھنڈوں کی جو اب موجود ہیں قریب اسی گز کے ہوتی ہے اور سنگین برجی کی جو سرکار انگریزی نے چڑھائی تھی اور اب اتار کر نیچے رکھدی ہے چھ گز ہے اور چھ برجی اور پھریرے کی اونچائی ملکر یہ لاٹ سو گز اونچی ہے اور مشہور بھی یہی ہے

Marfat.com

ب اس لاٹ کی جڑ کا پچاس گز کا محیط ہے اور سر کا دس گز کا ہے۔ یہ لاٹ
ندر سے بالکل خالی ہے اور اس میں چکردار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں پہلے درجے
ں ایک سو چھپن اور دوسرے درجے میں اٹھتر اور تیسرے درجے میں باسٹھ
درچوتھے میں اکتالیس اور پانچویں میں بھی اکتالیس ہیں۔ اس طرح کل سیڑھیاں
ن لاٹ کی تین سو اٹھتر ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی قدر
یڑھیاں ہونگی کیونکہ اوپر کے دونوں درجوں میں چڑھنے کا راستہ نہ تھا۔

تمش کی عبادت گذاری ابوالمظفر شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین
کی خاص نظر تھی۔ کنارہ حوض شمسی پر اکثر
واجہ مشغول عبادت رہا کرتے۔ وہیں التمش بھی جب خواجہ کے پاس حاضر ہوتے
نماز پڑھتے اور عبادت کیا کرتے۔ یہ نماز کا بڑا پابند تھا۔

۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو خواجہ کی رحلت ہوئی مشائخ، امراء اور خود
سلطان التمش موجود تھا۔ خواجہ ابو سعید نے بلند آواز سے کہا حضرت خواجہ کی وصیت
ہے کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر حرام نہ کیا ہو اور نہ سنت نماز
نماز عصر قضا کی ہوں اور کہا کہ اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن خواجہ کو یہی
منظور ہے ان کے حکم میں کچھ چارہ نہیں۔ آخر سلطان امام بنے اور اولیاء اللہ
دوسرے لوگ مقتدی ہوئے بعد نماز جنازہ خواجہ صاحب دفن کئے گئے [۱]

خلافت التمش کو خواجہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب کے چار
محبوب خلفا تھے۔

حوض شمسی حوض شمسی اس کو سلطان التمش نے بنوایا تھا کسی زمانہ میں یہ
حوض تمام سنگ سرخ سے بنا ہوا تھا۔ اب دیواریں

---

[۱] سیر الاولیاء

Marfat.com

اور پتھر بالکل اکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک جھرنا بنا کر فیروز شاہ
تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب یہ تالاب دو سو چھہتر بیگھہ پختہ میں ہے
فیروز شاہ نے فتوحات فیروزی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے
پانی کے راستے کھلوائے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے اس حوض
کے کنارے پر شیخ عبدالحق دہلوی کا مزار ہے ابن بطوطہ کے زمانہ میں
یہ حوض اتنا بڑا تھا کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے تھے اور شہر کی عیدگاہ بھی
اس کے قریب تھی۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ طول اس کا
دو میل اور عرض ایک میل تھا۔ غربی طرف عیدگاہ مذکور اور پتھر کے
گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے
نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور
ہر ایک چبوترے کے کونہ پر گنبد بنا ہوا تھا۔ جس پر تماشائی بیٹھ کر عہد
میں سیر کرتے تھے اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد
بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو
کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہونچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا
ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے

Marfat.com

رضیہ سلطانہ

پیدائش سلطان قطب الدین ایبک کی دختر نیک اختر کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحبزادوں کے بعد ہوئی تھی اس لئے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ پانچ سال کی تھی تو اتالیقی کے سپرد کی گئی۔ چھٹے سال میں لگی تو بسم اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی۔ قاضی شمس الدین سے علوم رسمیہ کی تعلیم پائی تھوڑے عرصہ میں خداداد ذہانت سے خوش استعداد ہو گئی۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ "قرآن شریف کے پڑھنے کے جتنے آداب ہیں وہ ان سب کو ادا کرتی اور علم سے اس کو بہرہ وافر تھا۔ صاحب نظر عورت ہونے کے سوا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔"

تیرہ برس کی عمر پر پہونچی تو التمش نے شہسواری میں طاق کرادیا اور فنون حرب میں ایسی مہارت کرادی تھی کہ مردوں کے پہلو بہ پہلو شہسواری کے فن میں یگانہ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محظوظ ہوا کرتا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہر شجاعت دیکھکر باغ باغ ہوجاتا۔

گوالیار مسخر کرنے التمش گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام کرتا

Marfat.com

گیا۔ اس کے پیچھے چند روز وہ انتظام عمدگی سے انجام دیا۔ فتح سے واپس آکر جو دیکھا نہال ہو گیا۔

التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی۔ یہ بیحد باپ کی اطاعت گذار تھی۔ باپ جس خیمے میں سوتا وہاں خود سوتی باپ عبادت شب میں لگتا خود بھی شریک ہوتی۔ باپ کو خود وضو کراتی۔ بادشاہ دن بدن اپنی دختر کا گرویدہ ہوتا جارہا تھا۔ آخر ش اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنا ولیعہد رضیہ کو بناؤں گا۔ چنانچہ طبقات ناصری میں ہے۔

"چوں سلطان در ناصیۂ او آثار دولت وشہامت میدا
اگرچہ دختر بود ومستورہ بعد آنکہ از فتح گوالیار مراجعت
فرمود تاج الملک محمود و بیر را کہ مشرف مملکت بود فرمان
داد با امرا ولایت عہد بنوشت وولی عہد سلطنت کرد"

تمام امرائے سلطنت نے کہا حضرت سلامت صاحبزادگان کے ہوتے ہوئے صاحبزادی کو ولیعہد کرتے ہیں۔ التمش نے جواب دیا:۔

"پسران من بہ عشرت جوانی مشغول باشد و ہیچکدام تیما
بر مملکت ندارند وازیشان ضبط ایں ممالک با برشما را
بعد از فوت من معلوم گردد کہ ولایت عہد را ہیچ یک از و
لایق تر نباشد"

تخت نشینی | التمش کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے رکن الدین

Marfat.com

کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد ناز یبا حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی معزالدین کو مروا ڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو برا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصر قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نماز جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اس نے ایک پُراثر تقریر اوپر سے کی۔ اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ادھر امرا کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اور التمش کا ارشاد سامنے آیا۔ انہوں نے کہا ناصرالدین کم عمر ہے۔ رضیہ ہی تخت نشین ہو۔ چنانچہ دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پردے سے برآمد ہو کر مردوں کا لباس زیب جسم کئے ہوئے تھی تخت پر رونق افروز ہوئی اور تاج شاہی زیب سر کیا۔ تمام امرا نے نذریں پیش کیں۔ تمام معاملاتِ ملکی کو ہاتھ میں لیا۔ نظام الملک محمد جنیدی جو وزیر سلطنت تھا اور ملک علاؤالدین شیر خانی۔ ملک سیف الدین کوچی۔ ملک اعزازالدین کبیر خانی نے خفیہ رضیہ کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر وہ بے پرواہی سے انتظام سلطنت میں لگ گئی۔ جو برائیاں اس کے بھائی کے وقت میں پیدا ہوئی تھیں بطور معقول اس کی اصلاح کی۔ اور قوانین سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا۔ بڑے بڑے مقدمے پیش ہوئے

Marfat.com

ان کا فیصلہ کیا اور قضیہ ختم کیا غرضکہ شاہان عادل اور قابل کے اوصاف اس سے ظاہر ہوتے تھے۔ طبقات ناصری میں ہے :۔

"سلطانہ رضیہ طاب مرقدہا بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل وکریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود ہمہ اوصاف کرندہ کہ بادشاہ را باید داشت"

سیاست مخالف امراء نے چاروں طرف نامہ و پیام جاری کیئے۔ اور مخالفت کی ترغیب دی۔ ملک نصیر جاگیردار سلطانہ رضیہ کی موافقت میں دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب گنگا کو عبور کر لیا تو دشمنوں نے اس کو گھیر لیا۔ اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ جہاں وہ جاں بحق ہو گیا۔ یہ رنگ رضیہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر انتظام ملکی چل رہی تھی۔ خاندان میں بھی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ وقار سلطنت امراء کے دل سے جاتا رہا اور اس امر کے درپے ہوئے کہ جدید انقلاب کیا جائے۔ اور رضیہ کو حکومت سے بے دخل کیا جائے۔ مگر رضیہ نے بعض امراء کو ترقی مناصب دی اور اکثر کو ادنیٰ عہدے سے اونچے درجے پر پہنچایا۔ یہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے۔ اور مخالفین کو خفیہ طور پر زک پر زک دینے لگے۔ ان کی جتنی تدبیریں تھیں وہ ناکام رہیں۔ غرضکہ رضیہ سلطانہ نے اپنے حسن تدبیر سے امرائے مخالف کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مگر سلطانی فوج نے تعقب کیا اور ملک سیف الدین کوچی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

Marfat.com

تمام مخالف امرا یکے بعد دیگرے تباہ و برباد ہو گئے۔ خواجہ مہدی غزنوی جو نظام الملک جندی کا نائب تھا۔ اس کو سلطانہ نے منصب وزارت عطا کیا اور نظام الملک کے لقب سے ملقب فرمایا۔

نیابت لشکر ملک سیف الدین ایبک کو تفویض کیا۔ اور "قتلغ خاں" خطاب دیا اور ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے جو اطاعت اس کی کی تھی اسے لاہور کا حاکم کیا۔ ممالک لکھنوتی اور دیبول اور سندھ غرضکہ تمامی بلاد اور علاقہ جات پر اپنے مرضی کے امرا حاکم مقرر کئے۔ اس عرصہ میں سیف الدین ایبک نے وفات پائی۔ اس کی جگہ قطب الدین حسن کو مقرر کیا اور اس کو معہ افواج کثیر قلعہ رن تھنبور پر بھیجا۔ سلطان التمش کے بعد یہاں کے راجہ نے مسلمانوں کو قلعہ بند کر دیا تھا۔ اور ان پر مظالم برپا کر رہے تھے۔ اور سخت محاصرہ کیا تھا۔ قطب الدین حسن سے بڑا معرکہ رہا۔ ہندو راجہ نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کی گلو خلاصی ہوئی۔ جمال الدین یاقوت حبشی امیر آخور تھا اس نے رضیہ سلطانہ کی جان کی حفاظت کی جس سے بڑا تقرب حاصل کیا۔ حبش اپنی دختر کے سلطانہ کو سمجھتا تھا۔ خود تلوار لے کر رات بھر رضیہ کا پہرہ دیتا اور سلطانہ آرام سے سوتی۔ ورنہ بارہا دشمنوں نے چاہا سوتے میں سلطانہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ یاقوت کی خدمات شائستہ سے سلطانہ بڑا بھروسہ کرنے لگی اور نظر عنایت مبذول رکھتی حتی کہ یاقوت گھوڑے پر کمر میں ہاتھ دے کر خود سوار کراتا۔ دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر

پابند شریعت خاتون پر حرف گیری کی۔ ادھر یاقوت امرا میں امیر الامرا کر دئے گئے ملک اعزاز الدین حاکم لاہور نے سر اطاعت سے انحراف کیا۔ سلطانہ سپہ آراستہ خود سرکوبی کو دوڑ پڑی۔ ملک اعزاز الدین موقعہ کی نزاکت دیکھ کر اخلاص سے پیش آیا اور ہتھیار ڈال دئے۔ سلطانہ نے ولایت ملتان جو ملک قراقش کے سپرد تھی اسے بھی اس کو تفویض کی۔ وہاں سے مراجعت کر کے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ جو ترکان چہلگانی سے تھا اس نے یاقوت کی وجہ سے بغاوت کا نشان بلند کیا سلطانہ رضیہ فوج بے شمار لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اثنار راہ میں امرائے ترک بگڑ بیٹھے اور رضیہ تاب مقابلہ نہ لا سکی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ رضیہ کا منہ لگا غلام جمال الدین یاقوت حبشی گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا تاریخ مبارک شاہی میں ہے۔ جمال الدین یاقوت حبشی را بشند۔ ع

عنا یافت دولت ز پیرامنش چو ادرغ سیاہ دید بر دامنش

اور سلطانہ بھی قید کر دی گئی۔ اور قلعہ بھٹنڈا میں رکھی گئی۔ دہلی پہونچکر معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔

عقد رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈا سے عقد کر لیا۔ ہر دو نے کچھ عرصہ بعد فوج جمع کر کے دہلی کی طرف مراجعت کی۔ معز الدین بہرام شاہ نے اپنے بہنوئی ملک اعز الدین بلبن کو رضیہ کے مقابل بھیجا۔ یہ کچھ دیسی پژمردہ ہو چکی تھی۔ ہر دو لشکر مقابل ہوئے

Marfat.com

ابھی وہ دو ہاتھ بھی نہونے پائے تھے کہ التونیہ کے لوگوں نے دغا کی۔ سلطانہ کو اس موقعہ پر بھی شکست فاش اٹھانا پڑی۔ آخر شہ جان بچا کر بھٹنڈا پر اس نے تازہ دم فوج لے کر چڑھائی پر حملہ کیا۔ بہنوئی آڑے آیا۔ ۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ میں کیتھل کے میدان میں رضیہ کی فوج نے منہ کی کھائی۔ میاں بیوی فوج سے جدا ہو گئے۔ روپوشی اختیار کی۔

ابن بطوطہ کا بیان

واقعۂ شہادت

ابن بطوطہ رضیہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے۔ جب رضیہ بیگم شکست کھا کر بھاگی تو بھوک کے مارے نہایت خستہ حال تھی۔ اس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اس سے کھانے کو مانگا۔ اس نے اسے روٹی کا ٹکڑا دیا۔ وہ کھا کر سو رہی۔ مردانہ لباس پہنے ہوئی تھی۔ جب کسان نے اسے سوتے ہوئے دیکھا اور اس کے کپڑوں کے نیچے ایک قباء مرصع نظر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ عورت ہے۔ اس کو قتل کیا۔ اس کا لباس اتارا گھوڑا لے لیا اور کھیت میں اس کو دبا دیا۔ اس کے بعض کپڑے لیکر بازار بیچنے لے گیا۔ اہل بازار اس لباس کو اس کی شان کے خلاف دیکھ کر خریدنے سے انکار کرنے لگے اور کوتوال کو خبر کر دی۔ اس نے اس کو مارا پیٹا تو اس نے رضیہ کے قتل کا اقرار کر لیا اور اس کے مدفن پر لے گیا۔ انہوں نے لاش نکال کر غسل دیا۔ کفن پہنایا اور

Marfat.com

دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا۔ لوگ آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اس کو متبرک جانتے ہیں وہ جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے:۔

"سلطانہ رضیہ التونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند ہر دو
شہید کنند۔ شہادت سلطانہ رضیہ روز سہ شنبہ بست پنجم
ماہ ربیع الآخر ثمان وثلاثین وثلثمائتہ بود۔"

رضیہ کا حبشی بعض مورخین نے اراکین سلطنت کی بغاوت کی بنا حبشی غلام کو قرار دیا ہے۔ وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ یہی امر تھا جس نے اراکین کو مجبور کیا کہ وہ رضیہ کو تخت سلطنت سے علیحدہ کردیں۔

مورخین نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا۔ گول مول لکھ گئے۔ الفنسٹن بھی یہی رائے رکھتا ہے۔ لیکن رضیہ سلطانہ جیسی مدبرہ وشجاع محض وہم وگمان سے بارنام ہو کر معزول نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کہاں ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آکر اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہ کرتی۔ اس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اسے امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی اور کسی نے خارج وعزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اس کی خلاف شرع بے پردگی نے امراء کو نفرت دلائی تو یاقوت کا واقعہ ابتدائی

نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ عوام کے بھڑکانے کے لئے بات کا بتنگڑ کھڑا کیا گیا ہو۔ گھوڑے پر سوار کرانے سے بدگمانی حماقت پردال ہے۔

کوئی شہادت اس عہد کی تاریخ میں اس کے چال چلن کے متعلق نہیں نظر آتی۔ مورخین نے صراحتاً نہ سہی کنایتہً بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ اس کے بھائیوں کی بدچلنی شراب خوری کا تذکرہ فصاحت سے کر گئے ہیں۔ اگر رضیہ بیگم بدچلن ہوتی تو مورخ کبھی اس کو نظرانداز نہیں کرتے، کھلے الفاظ میں لکھ جاتے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ رضیہ سلطانہ پاکدامن خاتون تھی اور قابل احترام تھی۔

رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب

رضیہ نسل کے اعتبار سے ترک تھی اس کے باپ کے زبردست اور طاقتور اراکین بھی ترک تھے جس میں چہل گانی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کرانے والے بھی یہی تھے رشاہ ترکان کا فیصلہ انہیں لوگوں کی حمایت سے ہوا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین اور اس کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ موروثی سلطنت کا سکہ ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ وجلال کے خیال سے عورت کی محکومی پسند نہ تھی کسی مرد

کو اس کی جگہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ واقعات ایسے آئے باغی ناکامیاب رہے۔ رضیہ نے اپنی عقلمندی سے جس نے سر اٹھایا اس کا سر نیچا کردیا۔ ملک اعزالدین کبیر خانی کو لاہور تک دیدیا۔ ملتان کا علاقہ بھی دبا گیا۔ مگر لڑکوں کو خوش رکھنا رضیہ کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ملا عصامی (عبد ملک) فتوح السلاطین محمود غزنوی سے محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ منظوم تاریخ ہے۔ مگر بعض جگہ تحقیقات میں کوتاہی کرجاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے حالات میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ رضیہ سلطانہ کے ذکر میں نازیبا باتیں لکھیں جن کا منہاج سراج کی تاریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں ذکر تک نہیں۔ یاقوت حبشی کا فسانہ اس طرح لکھتا ہے :۔

شنیدم غلامے زجنس حبش ۔۔۔ بدے در سواری بہر مرکبش
گرفتے بیک دست بازوئے او ۔۔۔ بدادے سوارش بے گفت گو
بداں مرد شاہ جہان را غلام ۔۔۔ شمش کردہ بودہ است یاقوت نام
امیر آخرش شاہ و شہزادہ بود ۔۔۔ بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

بعد کے مورخین نے بلا تحقیق کے اس خرافات میں رنگ آمیزی کی۔

مزار رضیہ سلطانہ سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ بھی کی قبر درحقیقت رضیہ سلطانہ کی ہے۔ یہ قطب مینارہ سے گیارہ میل دور جگہ پر ہے بلبلی خانہ ترکمان دروازہ

Marfat.com

خواتین کا مصنف لکھتا ہے:-

نئی دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں منشی شبیر علی خاں اور جناب مولوی رشید الدین خاں کے مکانات کے سنگین احاطہ میں یہ مزار ہے۔ اس احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری سجیلہ بیگم کی عوام الناس اس کو رجی سجی کی درگاہ بھی لکھتے ہیں سکان بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویز بھی دستبرد زمانہ سے ثابت نہیں، ضرورت ہے کہ نئے کتبے لگ جائیں اور ان کی حفاظت کا انتظام ہو جائے۔

خلق رضیہ سلطانہ بڑی خلیق اور متواضع خاتون تھی۔ جہاں ایک طرف بہادر اور شجاع تھی وہاں دوسری طرف غرباء کی دستگیری۔ ستم رسیدہ لوگوں کی داد رسی کرتی۔ ہر ایک کے ساتھ خلق سے پیش آتی۔ تمام خاندان کی بیبیوں کو تلقین کرتی کہ آپس میں اخلاق اور تواضع سے رہیں۔ عموماً عورتوں میں کم بیٹھتی۔ علماء کی صحبت زیادہ پسند کرتی۔

علمی مناظرہ سلطانہ کو علمی مناظرہ سے بڑا شوق تھا۔ امور مملکت سے فارغ ہو کر درباری علماء کو جمع کرتی۔ ان کی علمی بحثیں سنتی۔ اس زمانے میں علاقہ ملتان میں قرامطہ کا بڑا زور تھا۔ ان کا ایک عالم اس کے دربار میں آیا، آتے ہی آگ بگولہ ہو کر علانیہ الحاد پر تقریر کرنے اور علمائے احناف پر سب وشتم کرنے لگا مجبور ہو کر اس کو قتل کرانا پڑا۔

Marfat.com

مذہب رضیہ سلطانہ حنفی مذہب رکھتی تھی۔ علمائے احناف اس کے دربار کے رکن تھے۔ بڑی پابند صوم وصلوٰۃ تھی۔ صوفیا کی آغوش میں نشوونما ہوئی تھی اور اوراد وظائف میں غلو رکھتی تھی۔

ملحد قرامطہ کا استیصال طبقات ناصری میں ہے۔ سلطنت رضیہ کے اوائل میں یہ حادثہ عظیم رونما ہوا۔ ترکوں کے اغوا سے قرامطہ کا ایک گروہ اطراف ہند گجرات، سندھ اور دوآبہ گنگا وجمنا وغیرہ سے آکر دہلی میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے ترکوں کے اغوا سے اہل اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس کے سردار نے علمائے اہل سنت کو ناجنسی اور خارجی کہنا شروع کیا۔ اور عوام الناس کو علمائے احناف اور سلطانہ رضیہ پر برانگیختہ کرتا۔ آخرش قرمطی ماہ رجب ۶۳۴ھ بروز جمعہ ایک ہزار آدمی شمشیر وخنجر وتیر لے کر جامع مسجد دہلی پر چڑھ آئے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ سلطانہ کے مبارز نصیر الدین اور ناصر ہتھیار لگائے جوشن پہن کر خود سر پر رکھکر نیزہ وسپر ہاتھ میں لے کر معہ سواروں کے آئے۔ اور ملاحدہ وقرامطہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک قرامطی کو زندہ نہ رکھا۔ گو ملحدین کے ہاتھوں چند ہزار مسلمان بے گناہ شہید ہوئے مگر اس ظالم گروہ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

احوال قرامطہ ۲۷۸ھ میں عہد خلیفہ معتمد میں سواد کوفہ میں ایک خورستانی داخل ہوا۔ ناہد اور مرتاض صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کے لوگ مرید ہوگئے۔ روز بروز تعداد بڑھتی گئی

Marfat.com

عبادات کی مسلسل سعی نے جو شروع زمانہ خلافت سے کسی نہ کسی رنگ میں
چلی آتی تھی۔ بنو فاطمہ کی خلافت کے حامی بکثرت پیدا کر دئے تھے۔ کثرت
فتن اور مظالم سے مسلمانوں نے مہدی کے ظہور کو اپنی مخلصی کا امید گاہ
بنا رکھا تھا۔ جو شخص ان خیالات کی حمایت میں اٹھتا لوگ خواہ مخواہ اس کی
طرف جھک پڑتے تھے۔ یہی تسخیر مسلمین کا عمل ابن ناہدہ نے جو قرامطہ
کے نام سے مشہور ہوا اختیار کیا۔ شیعوں نے اس کی حمایت کی لاکھوں
مرید ہو گئے۔ عراق۔ شام میں کثرت سے فدائی ہو گئے۔ اپنی وفات
پر اس نے سجادہ میں ابو القاسم یحییٰ کو جانشین مقرر کیا۔ اس نے
اعلان کیا۔ مہدی کا ظہور قریب ہے۔ ابو سعید خیالی بھی اس کا ہمخیال
ہو گیا۔ ان لوگوں نے علماء سنن کو قتل کرنا شروع کیا۔ خلیفہ معتضد
عباسی نے انہیں بہت کچھ کچلا۔ مگر دن بدن یہ فرقہ ترقی کرتا رہا جب
بنی عباس نے زیادہ ان کی مدارات کی۔ اکثر ہندوستان چلے آئے
اور دہریت اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ
تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ائمہ میں حلول کرتا رہتا ہے۔ مرتد اور کافر
کے درجے پر یہ لوگ تھے۔ حسن بن صباح ان کا بڑا شیخ تھا۔ ہلاکو خاں
نے پامال کیا اور ان کا پھر خاتمہ ہی ہو گیا۔

علماء کی منزلت

علماء و فضلاء۔ اور ذی علم بزرگان دین کی مسلمان
بادشاہوں کے دربار میں جو قدر و منزلت ہوتی
تھی وہ دوسری قوموں کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دن

Marfat.com

کسی ضرورت سے رضیہ سلطانہ نے مولانا نورالدین محمد عوفی کو طلب کیا
یہ اپنے زمانہ کے علامہ دہر تھے۔ جب خواجہ سرا مولانا کے پاس پیغام
پہونچا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے درس حدیث و تفسیر دے رہے تھے آپ
فرمایا سلطانہ سے کہدو میں اللہ کے گھر میں طلباء کو علوم دینی کا درس
رہا ہوں۔ یہ مجلس اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ کہ اس کو چھوڑ کر دربا
رضیہ میں حاضری دینی ضروری ہے۔ خواجہ سرا نے آکر یہی کہا۔ رضیہ
رہی اور خواجہ سرا سے کہا جب مولانا درس سے فارغ ہوں اس وقت
تکلیف دینا۔ چنانچہ دو گھنٹے بعد مولانا درس ختم کر چکے تو خواجہ سرا کے سا
آئے۔ رضیہ اسی طرح منتظر بیٹھی ہوئی تھی جس وقت مولانا سامنے آ
تو وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے بمشکل آئے تھے۔ رضیہ آپ کو دیکھ کر اٹھ
ہوئی اور مولانا کو صدر میں بٹھایا۔ اور بڑی لجاجت سے کہا مجھ کو شرعی
میں مشورہ کرنا تھا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی اور کہا حضور!
نے بہت زور اٹھا رکھا ہے۔ ان کے استیصال کے بارے میں کیا حکم
مولانا نے فرمایا سلطانہ! یہ لوگ مرتد ہیں اس بناء پر واجب القتل
چنانچہ تحقیق مسئلہ کے بعد بعزت و احترام تمام مولانا کو رخصت کیا او
خود دور تک پہونچانے آئی۔

خواجہ بختیار کاکی رح کی خدمت میں حاضری

التمش کے ساتھ حضر
قطب الدین بختیا
کی خدمت میں رضیہ حاضر ہوئی حضرت خواجہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھی

دعائے برکت دی اور فرمایا یہ دختر مردوں پر بھاری ہے چنانچہ رضیہ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ کو سلام کرنے عموماً جایا کرتی اور اولیاء کی خدمت کرتی رہتی۔

مجلس قضاۃ قاضی سعید الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس۔ قاضی جلال الدین۔ قاضی کبیر الدین لشکر اس کے دربار کے قضاۃ تھے۔

سلطانہ رضیہ نے قضاۃ کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے۔ پھر حکم عام دیتی تھی۔ یہ چاروں قاضی باپ کے زمانے سے چلے آرہے تھے۔

علمی ترقی سلطانہ نے تمام قلمرو میں تعلیم پھیلانے کے لئے مدرسے جاری کئے۔ مدرسہ "ناصریہ" کو ترقی دی اس کے عہد میں قاضی شمس الدین۔ قاضی جلال الدین کاشانی شیخ محمد ساوجی۔ مولانا نورالدین محمد عوفی صاحب کتاب جامع الحکایت اس کی مجلس علمی کے رکن تھے۔

اس کے عہد کے صوفیا التمش کے زمانے میں صوفیا کی گرم بازاری تھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اقطاع ہند میں اشاعت اسلام کر رہے تھے۔ رضیہ نے تخت نشین ہوتے ہی سرکاری خزانہ سے خلفائے خواجہ کو مالی امداد دی۔ وہ جگہ جگہ تبلیغی خانقاہیں قائم کرتے اور صبح و

Marfat.com

شام لنگر جاری رہتا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ لنگر سے فائدہ اٹھاتے ر
چیز غیر مسلموں کو مائل کرنے کا سبب ہوئی۔ ادنیٰ اعلیٰ سب ایک د
کھانا کھاتے۔ مساوات کا پورا مظاہرہ یہاں ہوتا تھا۔ غریب سے
غریب کو عزت سے بٹھایا جاتا۔ رضیہ سلطانہ کی طرف سے تبلیغ ا
کے لئے ان خلفاء کی خاموش طریق پر امداد ہوتی۔

محکمۂ احتساب رضیہ کے عہد میں محکمہ احتساب کا اتنا زور تھا کہ کو
مسلمان بے نمازی نہیں رہ سکتا تھا، ورنہ در
سے خبر لی جاتی۔ تمام مساجد آباد تھیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ تجار سے وصو
کیا جاتا اور خزانہ شاہی میں جمع ہوتا۔ اور شرعی طریق پر اس کا مصرف
کیا جاتا۔ رضیہ کے ارد گرد ترکنوں اور قلماقنیوں کے سوا ہندوستا
عورتیں بھی رہتیں۔ رضیہ کے حسن اخلاق سے ایسی گرویدہ ہو جاتیں ک
وہ رضیہ کا دم بھرتیں اور اپنے قدیم مذہب کو بھی خیرباد کہہ دیتیں
رضیہ کے تھوڑے عہد حکومت میں بقول بختیار خاں عالمگیری اسلا
کو بڑا فروغ ہوا۔

عدل و انصاف التمش کی گھنٹی کا ذکر تاریخ کے صفحات پر موجو
ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ رضیہ سلطا
کے دربار میں مظلوموں اور دادرسی چاہنے والوں کی فریاد سننے کا سلسلہ
جاری تھا۔ بالخصوص مظلوم عورتوں کی دادرسی کا شعبہ ایک خاتون
سپرد تھا۔ وہ بہت تندہی سے اپنے فرائض انجام دیتی تھی۔

Marfat.com

ابوالبقا سہارنپوری شنگرف نامہ میں لکھتا ہے: "قرہ خانم رضیہ سلطانہ کی مصاحب خاص تھی۔ اس کا کام یہ تھا وہ غریب عورتوں کی فریادیں ضبط تحریر میں لاتی تھیں اور شب کو رضیہ کی خدمت میں درخواستیں پیش ہوتیں۔ وہ فرصت کے پہلے وقت میں درخواستیں پڑھکر احکام صادر کرتی۔ رضیہ عدل و انصاف میں باپ سے سبقت لے گئی تھی۔

رواداری

جمنا پر ہندوانی تہواروں پر اشنان ہوتے رہتے تھے اور کنارے پر جو مندر تھے ان میں ناقوس اور گھنٹے بڑے زور شور سے تہوار والے دن بجائے جاتے۔ لوگوں نے رضیہ سلطانہ سے شکایت کی اور کہا حضور کے والد نے نہاکال کا مندر منہدم کرادیا آپ بھی جمنا کنارے کے شوالے مسمار کرادیجیے اور ثواب کمایئے۔ رضیہ سنتی رہی۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ ایسا ہی کیا جائے۔ قاضی سعدالدین کردی کو علم ہوا۔ اس نے سلطانہ سے کہا۔ آپ یہ کیا کرتی ہیں۔ آپ کے والد نے جو کچھ کیا اچھا کیا میں نہ تھا جو مشورہ دیتا۔ سلطانہ! شاکیوں سے معلوم کرو یہ سلسلہ اشنان کب سے ہے۔ چنانچہ وہ لوگ بلائے گئے۔ پوچھا گیا انہوں نے کہا اشنان کی رسم اور پوجا پاٹ زمانہ دراز سے چلی آرہی ہے انہوں نے کہا یہاں رضیہ کے پہلے بھی اسلامی حکومت تھی۔ پہلے بادشاہ کیوں متراحم نہوئے انہوں نے اس رسم کو کیوں نہ بند کیا۔ رضیہ بولی ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ قاضی کردی نے کہا:۔

"شرع شریف میں قدیم بت خانوں کا انہدام جائز نہیں ہے اور

Marfat.com

قدیم الایام سے جو رسوم قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا حق کسی کو نہیں پہونچتا۔ التمش نے مہاکال کا مندر ڈھایا۔ وہ مندر زنا کا اڈا بنا ہوا تھا۔ اس کے پجاری نوجوان عورتوں کو جو پوجا کرنے آتیں ان کے ساتھ افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے۔ وہاں کے براہم نے بادشاہ سے کہہ کر مندر کو مسمار کرایا۔ اے رضیہ سلطانہ صحابہ کرام نے ایران فتح کیا وہاں مذہب زرتشتی تھا جگہ جگہ آتش کدے روشن تھے۔ انہوں نے باوجود صاحب اقتدار ہونے کے آتشکدوں کو نہیں ڈھایا اور نہ زرتشتیوں کو ان کے حق سے محروم کیا جو ان کو اپنے ملک میں حاصل تھے حتیٰ کہ ان کو یہ کہکر اہل کتاب کے مساوی سمجھا گیا کہ وہ شبیہ اہل کتاب ہیں یعنی اہل کتاب کے ساتھ ہیں۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کرکے ان باشندگان کے ساتھ کیا جو تمام تر ہندو تھے ان کے مندر باقی رہے ان کے رسم و رواج جاری رہے۔ تم کیا ان سے بڑھ کر ہو جو نیا قدم اٹھا رہی ہو۔"

رضیہ سلطانہ نے قاضی کردی کے آگے سر تسلیم خم کیا اپنے احکامات واپس لئے۔ اشنان اور پوجا پاٹ میں حکم دیا کوئی مزاحم ہو۔

علمی ترقی التمش کے عہد میں عجمی حضرات اہل علم آگئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی سے تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ التمش کے عہد میں "آداب الحرب والشجاعہ" لکھی گئی جو اس عہد کے حربی معاملات کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے۔

Marfat.com

محمد عوفی نے التمش کے دربار کے لئے اپنی کتاب جامع الحکایات ولوامع الروایات لکھی بادشاہ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ یہ لوگ رضیہ کے عہد میں اپنے انہیں مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں علمی کاموں کی تکمیل کرنے کا موقعہ رضیہ کے عہد میں نصیب ہوا۔

مجلس علماء

ہر جمعہ کو علماء کی مجلس منعقد ہوا کرتی۔ باری باری سے علماء وقضاۃ کو میر محفل کہا جاتا خود ایک طرف مؤدب ہوکر بیٹھتی اس کی مجلس میں عموماً دینی مسائل پر گفتگو رہتی۔ ایک دن مولانا شمس الدین نے صوفیا کے احوال اور سماع پر کلام کیا یہ بھی منتی رہی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس صحبت یافتہ قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے، وہ جواب دیتے رہے۔ قاضی نصیر الدین نے قصیدہ بردہ خوش الحانی سے جو پڑھا۔ تمام مجلس بے حال ہوگئی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور قاضی شمس الدین تو مجلس میں لوٹنے لگے۔ جب سکون ہوا تو قاضی نصیر الدین نے کہا سماع پر جو آپ لوگ معترض ہوتے ہو۔ صرف ظاہرا باتوں پر رائے قائم کرتے ہو۔ مولانا شمس الدین نے کہا۔ قاضی آپ خود ایسے اسلامی عہد سے پر ممتاز ہو جہاں شریعت کے صحیح حامل ہوتے ہوئے اس کے ساتھ آج معلوم ہوا آپ طریقت کے بھی پیشوا ہیں۔ آخر میں سلطانہ کی طرف سے بعد تواضع فواکہات مجلس برخاست ہوئی۔

Marfat.com

مقبرہ التمش

مزار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی کہنہ مہرولی میں ہے۔ یہیں التمش کا مقبرہ ہے۔ رضیہ سلطانہ نے بنوایا ہے۔ اس مقبرہ کی تمام عمارت اندر اور باہر سے سنگ خارا کی ہے اور اندر کہیں کہیں سنگ سرخ اور سنگ مرمر بھی لگا ہے تمام دیواروں پر آیات قرآن کندہ ہیں اور بہت اچھی منبت کاری کی ہوئی ہے۔ مقبرہ میں ستون دار گنبد تھے مگر عرصہ ہوا کہ گر پڑے ہیں۔ صرف چہار دیواری باقی ہے۔ فیروز شاہ نے اس مقبرے کی مرمت کرائی تھی اور صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا تھا مگر اب یہ آثار باقی نہیں رہے۔

Marfat.com

سلطان معز الدین بہرام شاہ بن التمش

۳ر اکتوبر ۱۲۴۰ء تا ۱۰ر مئی ۱۲۴۲ء

سلطان بہرام شاہ کے ۲۷ر رمضان ۶۳۸ھ ۱۲۴۱ء کو مراسم تخت نشینی ادا ہوئے۔ مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سنقار نے اس کو قتل کرانا چاہا۔ سلطان کو علم ہو گیا وہ سزا دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سنقار بدایوں کا گورنر کر دیا گیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین خفیہ کو قتل کرا دیا۔ ان وجوہ سے امرائے چہلگان شمسی اس سے بیزار ہو گئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہو گیا اور سرداران فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کرا دیا بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقات ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضات تھے باغیوں کو سمجھانے کو بھیجا مگر وہ باز نہ آئے بالآخر ۳½ ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ر مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کرا دیا گیا۔

علاء الدین مسعود شاہ

۶۳۹ — ۶۴۴ھ
۱۲۴۱ — ۱۲۴۶ء

بہرام شاہ کے قتل کے بعد ہی جماعت امراء میں سے ایک نے عزالدین بلبن کو جو التمش کا داماد تھا بادشاہ مقرر کیا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت نے جس پر بعد کو اکثر کا اتفاق ہو گیا تھا علاء الدین مسعود (رکن الدین فیروز کے بیٹے) کو ۸ ار ذیقعدہ ۶۳۹ھ میں تخت نشین کیا۔

وزیر مہذب الدین نے امراء ترک کے ہاتھوں سے تمام کام نکال لئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے عہدہ قضا سے استعفیٰ دیا۔ اور ۹ رجب کو طوغان خاں والی بنگال کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ لکھنوتی میں یہ دو سال تک رہا۔ انہیں دو سال کے عرصہ میں مسعود شاہ نے توسیع سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اور اپنے دونوں چچا جلال الدین اور ناصر الدین کو قید سے آزاد کر کے قنوج و بہرائچ میں ان کی جاگیر مقرر کی گئی۔

شوال ۶۴۲ھ (۱۲۴۵ء) میں راجہ جاج نگر نے لکھنوتی پر حملہ کیا[۱] اور

[۱] اس واقعہ کے متعلق مورخین نے سخت غلطی کی ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد ملا عبدالقادر و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ۶۴۲ھ میں مغلوں نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ طبقات اکبری میں ہے کہ وہ تبت کی راہ لکھنوتی پہونچے۔ الفنسٹن نے بھی یہی غلطی کی مسٹر اڈورڈ طامس نے یہ غلطی نہیں کی۔ جاجنگر طبقات ناصری میں چنگیز خاں بن گیا۔

Marfat.com

عزہ ذیقعدہ میں تمر خاں قیراں سلطان علاءالدین کے حکم سے فوج لے کر لکھنوتی پہونچا اور بعد کو یہی لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اسی سال غیاث الدین بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا (اس وقت یہ الغ خاں کے نام سے مشہور تھا)

۱۴ر صفر ۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء میں منہاج سراج دہلی واپس آیا اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہوا۔

رجب ۶۴۳ھ ۱۲۴۶ء میں مغلوں نے منگو خاں کی سرکردگی میں اوچھ پر حملہ کیا۔ مسعود شاہ خود مقابلہ کے لئے روانہ ہوا لیکن مغل اس کے پہونچنے سے قبل واپس چلے گئے۔

۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء مسعود شاہ کی صحبت میں چند نااہل لوگوں کو درخور حاصل ہوگیا اور اس نے جبر و ظلم عیش و عشرت لہو و لعب میں اپنے اوقات صرف کرنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی کے آثار نظر آنے لگے تو امراء نے مجبور ہو کر اس کے چچا ناصرالدین کو بلایا اور بتاریخ ۲۳ر محرم اسے قید کر کے ناصرالدین کو تخت نشین کر دیا۔

Marfat.com

ناصرالدین محمود شاہ

۶۴۴ - ۶۶۴ھ
۱۲۴۶ - ۱۲۶۵ء

مسعود شاہ کے بعد ناصرالدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو نرکی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں بہرائچ کا والی تھا۔ اس کے واقعات عدل و رعیت پروری تمام ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال پر تمام امراء و اعیان نے قصر سفید میں تخت شاہی پر اس کو متمکن کیا۔ اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کر کے بیش بہا انعامات حاصل کئے۔ منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ کو اس بادشاہ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام طبقات ناصری رکھا[1] اور اس کے حالات حکومت پندرہ سال یعنی ۶۵۸ھ تک نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے۔

ناصرالدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد و مرتاض تھا خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلام مجید لکھ کر اپنا نفقہ حاصل کرتا تھا[2]۔ ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصرالدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۰ و ۷۱ ۔ [2] فرشتہ صفحہ ۷۱ ۔

Marfat.com

قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا
لکھا ہوا دیا جو نہایت خوش خط تھا"

فرشتہ لکھتا ہے :-

"وہ ہر سال دو مصحف کی کتابت کرتا۔ ایک بار اس کا قلمی مصحف
کسی امیر نے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا۔ سلطان کو جب یہ
خبر معلوم ہوئی تو اسے ناگوار ہوا اور آئندہ کے لئے حکم دیا کہ
میرے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام مجید خفیہ طور سے بازار کی معمولی
قیمت پر فروخت کیا جائے"

سلطان ناصر الدین صرف ایک "منکوحہ" بی بی رکھتا تھا اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی۔ ایک دن بی بی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جلتے ہیں۔ اگر کوئی کنیز لے لی جائے تو کیا حرج ہے سلطان نے جواب دیا کہ :-

"بیت المال بندگان خدا کا حق ہے میں اس میں سے کچھ صرف
نہیں کرسکتا ورنہ کوئی کنیز مہیا کر دیتا[1]"

ناصر الدین دوسرے کے جذبات کا بہت لحاظ کرتا تھا اور کبھی کسی کو تکلیف پہونچانا یا مایوس کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک بار وہ کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک شخص اجنبی آ گیا اور بولا کہ لفظ فیہ مکرر لکھا ہوا ہے۔ سلطان نے فوراً اس لفظ کے گرد قلم سے حلقہ کھینچ دیا۔ اور اس شخص کا حال پوچھ کر

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۳۷۔

Marfat.com

رفع حاجت کردی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا
ایک غلام نے دریافت کیا کہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کے محو کر دینے کا کیا
سبب تھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ شخص اپنی حاجت لے کر آیا تھا کہ
میں اس سے کہہ دیتا کہ لفظ فیلہ غلط تحریر نہیں ہوا تو وہ نادم ہو جاتا
اس لئے میں نے حلقہ کھینچ دیا کہ اس کا محو کر دینا بہ نسبت غبار ملال رفع
کرنے کے زیادہ آسان ہے[۵]

مذہبیت مذہب کا وہ حد درجہ احترام کرتا تھا اور عظمت نبوی کے
خیال سے ہر وقت کانپتا رہتا تھا۔ اس کا ایک ندیم تھا جس کا
نام محمد تھا۔ سلطان ناصر الدین جب اس کو بلاتا تو ہمیشہ نام لے کر پکارتا
اور جو کام ہوتا کہہ دیتا۔ ایک دن تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ ندیم آیا
کام کر کے گھر چلا گیا۔ جب تین دن تک حاضر نہ ہوا تو سلطان نے اس کو
طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ "سلطان ہمیشہ میرا نام لیکر
پکارا کرتا تھا۔ اس دن خلاف معمول تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ میں سمجھا کہ
سلطان کچھ برہم ہے۔ بیقرار و مضطرب ہو کر گھر چلا گیا" سلطان نے قسم
کھا کر کہا کہ "میں تم سے مطلق رنجیدہ نہیں ہوں۔ اس دن تمہارا نام نہ لینے
کی وجہ یہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا۔ اور بغیر طہارت کامل کے لفظ محمد
اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا"[۵]

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ شغف رکھتا تھا۔ اس لئے

---

[۵] فرشتہ صفحہ ۷۴ -

تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے - اور حقیقت یہی ہے کہ ناصر الدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت وفراست، شجاعت وپامردی - اور نظم، ونسق سے سلطان ایبک اور سلطان التمش کے عہد کو بھلا دیا - عہد ناصر الدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں:-

۶۴۴ھ / ۱۲۴۷ء میں ناصر الدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جودی کے رانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا -

۶۴۵ھ / ۱۲۴۸ء میں ناصر الدین نے مملکت قنوج میں قلعہ نندنا (تلسندا، تلندا) کو فتح کیا - اور بلبن نے رانا ملکی کو مغلوب کیا اور پھر دونوں فوجیں کنڑہ کی طرف بڑھیں -

۶۴۶ھ / ۱۲۴۹ء میں بلبن نے رانائے رتنبور کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاؤالدین ایبک اس جنگ میں شہید ہوا -

۶۴۷ھ / ۱۲۴۹ء میں ناصر الدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الغ خاں اعظم کا خطاب عنایت کیا -

۶۴۸ھ / ۱۲۵۰ء میں عزالدین نے ملتان کا محاصرہ کیا جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوچھ واپس آیا -

۶۴۹ھ / ۱۲۵۱ء میں عزالدین نے ناگور میں بغاوت کی لیکن ناصر الدین کے پہونچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی - بادشاہ مالوہ کی طرف گیا.

Marfat.com

راجہ ناہر دیو کو شکست ہوئی اور نرد فتح ہوا۔

۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء میں الغ خاں نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ منہاج سراج کو عہدۂ قضا تفویض ہوا۔ سلطان نے اوچھ اور ملتان کے راستے لاہور اور غزنی کی طرف سفر اختیار کیا۔ اور عماد الدین ریحان نے بادشاہ کو بلبن کی طرف سے کبیدہ کر دیا جس کی وجہ سے بلبن کو اپنی جاگیر اقطاع ہانسی و کوہستان سوالک کی طرف روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد افواج شاہی اس کے خلاف روانہ کی گئیں۔ اور ہانسی شاہزادہ رکن الدین کو دی

۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی۔ شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔

۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء حدود پنجور (بجنور) میں بادشاہ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بدایوں ہوتا ہوا۔ دہلی واپس آیا۔

امراء نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویہ کی مخالفت کی۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہونچا تو امرائے مذکور کہرام اور کیتھل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر کار باہم صلح ہو گئی۔ اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہو گیا۔ اور ریحان جو باعث فساد تھا دربار سے علیحدہ کر کے بدایوں بھیجدیا گیا۔

۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں بادشاہ اپنی ماں ملکہ جہاں سے (جو حبالۂ قتلغ خاں میں تھی) ناخوش ہو گیا۔ اور دونوں کو اقطاع اودھ دیکر رخصت کر دیا

Marfat.com

قتلغ خاں نے بغاوت کی لیکن الغ خاں بلبن نے اس کو پسپا کرکے کالنجر تک ہٹادیا۔

۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء میں قتلغ خاں کے خلاف فوجی کارروائی جاری رہی۔

۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلغ خاں بھی اس کا شریک ہوگیا۔ اس کے بعد یہ دونوں دہلی کی طرف بڑھے۔ لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔

۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جو ملتان تک پہونچ گئے تھے لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔

۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء میں خاص عساکر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کئے گئے دارالحکومت میں امن و سکون رہا اور حاکم لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔

۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء میں الغ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا۔ اور ہلاکو خاں (مغل) کی طرف سے ایک سفارت دہلی آگئی۔

۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں ۱۱ جمادی الاوّل کو بادشاہ نے انتقال کیا۔[۱]

---

[۱] اسلامی نگار نمبر

Marfat.com

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ
۱۲۶۵ - ۱۲۸۷ء

بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا "طائفۃ البری" اس کے قبیلہ کا نام تھا۔ اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے اس حصہ ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آگیا۔ ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین مصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے مثل اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی اخلاق سے متصف کیا پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا۔[1]

ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے روبرو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بدصورت تھا۔ بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ "جہاں پناہ اور غلام کس کے لئے خرید کئے گئے ہیں۔ التمش نے ہنس کر جواب دیا "اپنے لئے" بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لئے مول لے لیجئے یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو مول لے کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی۔

۱؎ فرشتہ صفحہ ۷۴

بلبن کی ترقی

چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات و خصائل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی۔ اس وجہ سے اس کا تقرب بڑھتا گیا۔ رضیہ کے عہد میں امیر شکار ہو گیا۔ اور سلطان بہرام شاہ نے اس کو میر آخور بنا دیا۔ سلطان علاؤالدین مسعود کے زمانہ میں "امیر حاجب" ہو گیا۔ اور سلطان ناصرالدین نے تو تمام امور سلطنت ہی اس کے سپرد کر دئے یہاں تک کہ ناصرالدین کے بعد بالاتفاق سب امرا نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

بلبن کی فرض شناسی

ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں یہ صرف ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا اس وقت وہ عیش و تفریح کی طرف مائل تھا۔ بذلہ سنج ندیم اور خوش گلو مغنی اسکی محفل میں رہتے تھے اور وہ بھی بادہ خواری، قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آتا تھا لیکن جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کا ورق ہی الٹ دیا۔ نہ کہیں محفل عیش و طرب تھی۔ نہ بادہ خواری۔ وہ حد درجہ متین و سنجیدہ ہو گیا۔ شرابخوری کو نہ خود ترک کیا بلکہ عام طور سے اس کے استعمال کی سخت ممانعت کر دی۔ نماز روزہ کا سختی کے ساتھ پابند ہو گیا۔ یہاں تک کہ اشراق و تہجد کی نماز بھی وہ ترک نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔ بغیر علماء و صلحاء کی صحبت کے کھانا نہ کھاتا۔ ہمیشہ ان سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا رہتا۔ اور مشائخ کے مکانوں پر خود حاضری دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا اکابر کے جنازوں میں حاضر

Marfat.com

رہتا۔ اور اگر راستہ میں مجلس وعظ برپا دیکھتا تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر سنتا۔ یہ تھا اس کے زہد و ورع کا عالم !

انتظام سلطنت

انتظام سلطنت کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ جب تک وہ پوری طرح کسی شخص کی شرافت نفس اہلیت کو معلوم نہ کر لیتا۔ اس وقت تک اس کو کوئی عہدہ نہ دیتا۔ اور اگر کوئی ملازم یا حاکم صلاح و تقویٰ، دیانت و امانت سے منحرف ہو جاتا تو فوراً معزول کر دیتا۔ کبھی رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا۔ کسی ہنر گو یا مسخرہ کو دربار میں آنے نہ دیتا، اور ہمیشہ نہایت سنجیدہ اور معقول لوگ کو اپنی صحبت میں رکھتا۔ وہ قہقہہ سے کبھی نہ ہنستا تھا اور نہ کسی اور کو جرأت ہوتی تھی کہ اس کے سامنے ہنسے۔

فیاضی و دریادلی

ملحقات طبقات ناصری مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ فتنۂ چنگیز خانی سے بھاگ کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان و عراق، فارس اور روم و شام وغیرہ کے پندرہ شاہزادوں نے بلبن کی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ بلبن نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک محلہ الگ کر دیا تھا۔ اور سب کے شاہانہ وظائف مقرر کر دئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں وسط ایشیاء اور اس کے جوار کے تمام صاحبان کمال تاتاری فتنہ سے پریشان تھے۔ اس لئے ان کے لئے سوائے سلطنت دہلی کے اور کوئی مامن نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ :۔

Marfat.com

"زبدہ و نخبہ و خلاصہ عالم از اصحاب سیف و قلم و سازندہ و خوانندہ و ارباب ہنر کہ در ربع مسکون عدیل و نظیر نہ داشتند در درگاہِ بلبن جمع شدہ بودند و درگاہِ محمودی و سنجری ترجیح می دادند"[1]

عدل پروری

بلبن کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہدیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم ظاہر ہوگا تو میں بغیر سزا دئے ہوئے نہ چھوڑوں گا۔ جو نصیحتیں وہ اپنی اولاد کو سناتا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس اصول پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار اپنے بیٹوں سے کہا کہ "دیکھو ایک بادشاہ کی نجات چار باتوں پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ وہ خدا سے ڈر کر رعایا کے آرام و سکون کا انتظام کرے۔ دوسرے یہ کہ فسق و فجور کا ملک سے استیصال کلی کردے۔ تیسری یہ کہ خدمات حکومت ہمیشہ خدا ترس، امین اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے۔ چوتھی بات یہ کہ ظلم و ستم نہ ہونے دے۔ اور انصاف کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرے"

ایک بار ملک بقبق پسر جاندار سے جو امرائے کبار میں سے تھا۔ اور ولایت بدایوں اس کی جاگیر میں تھی۔ حالت مستی میں ایک فراش کو اسقدر درے مارے کہ وہ مرگیا۔ جب سلطان بلبن بدایوں پہونچا تو فراش

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۵

کی بیوی دربار عام میں حاضر ہوئی۔ سلطان بلبن نے اسی وقت سب کے سامنے ملک تغیق کو طلب کیا۔ اور اس قدر درے لگوائے کہ وہ بھی مر گیا۔ اور بدایوں کے بریدوں (پرچہ نگاروں) کو جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع اوسے نہیں دی تھی۔ شہر کے پھاٹک پر سولی دیدی۔

اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبن کے نہایت معتبر غلاموں میں سے تھا۔ اور اقطاع اودھ جاگیر میں رکھتا تھا ایک شخص کو حالت مستی میں مار ڈالا اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی۔ سلطان نے ہیبت خاں کو طلب کر کے پانچ سو درے لگوائے اور عورت سے کہا کہ "ہیبت خاں آج تک میرا غلام تھا۔ لیکن آج سے تو اس کی مالک ہے۔ تجھے اختیار ہے چاہے مار ڈال چاہے معاف کر دے" بہ مشکل تمام ہیبت خاں نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی۔[1]

محکمہ جاسوسی سلطان بلبن نے سلطنت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے جاسوس یا برید مقرر کر دیئے وہ نہایت سختی سے احتساب کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جاسوس کوئی غلط خبر اس تک پہونچا سکتا تھا۔ اور نہ حکام کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے کا یارا تھا۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد سوم صفحہ ۱۰۱

Marfat.com

فوج کی تہذیب و ترتیب بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی تمام فوج کا جائزہ لیا اور کمان ایسے ہاتھوں میں دی جن کی وفاداری مسلّم تھی۔ بلبن اپنی سلطنت میں دورہ بھی کثرت سے کیا کرتا تھا۔ اور خود انتظامی حالات کو دیکھکر ان میں اصلاحیں کیا کرتا تھا۔ ہر چند وہ نظم و نسق کے باب میں بہت سخت تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بہت رحم و کرم کرتا اور ضعفاء کا بہت خیال رکھتا۔

رحم و کرم ایک بار بلبن کو معلوم ہوا کہ عہد شمسی (شمس الدین التمش) کے بہت سے سپاہی ضعیف ہو کر بیکار ہو گئے ہیں۔ بلبن نے حکم دیا کہ جو مواضعات ان کے پاس ہیں خالصہ میں لے لئے جائیں اور ہر ایک کے لئے نیس تنکہ بطور مدد معاش کے مقرر کر دیا جائے اس سے ان لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا اور سب کے سب ملک فخرالدین کوتوال کے پاس روتے ہوئے آئے۔ کوتوال ملول و مضمحل سلطان کی خدمت میں گیا۔ اور دریافت کرنے پر عرض کی کہ "جہاں پناہ آپنے ضعفاء کو اپنے رحم و کرم سے محروم کر دیا ہے۔ اگر خدا نے قیامت کے دن بھی اسی طرح ہم ضعیفوں کو مردود کر دیا تو ہمارا حشر کیا ہو گا" یہ سن کر سلطان بلبن بہت رویا اور فرمایا کہ "نہج سابق پر سب کی معاش بحال رکھی جائے۔ اور آئندہ کوئی تعرض نہ کیا جائے"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۸

Marfat.com

باغیوں کی سرکوبی

سفر کے دوران میں اگر کسی پل گھاٹ یا گزرگاہ پر پہونچ جاتا تو اپنے سرداروں کو مقرر کرتا کہ سب سے پہلے عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور کمزور جانوروں کے گزر جانے کا انتظام کریں اور پھر دوسرے لوگ عبور کریں۔

سلطان بلبن کبھی اس کو گوارا نہ کرتا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بغاوت یا نقض امن کا مجرم ہو۔ وہ مفسدوں اور باغیوں کو سخت سزا دیتا اور خود فوج لیجا کر سرکوبی کرتا طغرل کی بغاوت میواتیوں کی شورش اس کے عہد کے خاص واقعات ہیں۔ پھر بلبن نے جس طرح ان فتنوں کو فرد کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں بھی خاص ملکہ رکھتا تھا

شکار کا شوق

بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس تک کا جنگل شکار کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزار سواروں کی جمعیتہ لے کر نکل جاتا۔ اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سپاہ پیادہ فوج کی بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اسقدر شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ ہے۔ وہ بظاہر شکار کو جاتا ہے۔ لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں۔ اور خطرہ ضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۳

Marfat.com

سطوت وجبروت

سلطان غیاث الدین بلبن اپنے تمام صفات رحم وکرم، بذل ونوال کے ساتھ سطوت وجبروت بھی بدرجۂ اتم قائم رکھتا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس نے اپنی ہیبت و عظمت بہت قائم کر رکھی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال جب اس نے جلوس نکالا تو سینکڑوں کوس سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ اور اس قدر تزک واحتشام کی نمائش کی گئی کہ دنیا متحیر تھی۔

خودداری

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے اس شان وشوکت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی خادم گستاخ نہ ہو جائے اور اس لئے وہ کبھی کسی سے بے تکلف ہوکر نہ ملتا تھا۔ اس کے بعض ایسے خادم جو ہر وقت خلوت میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کو خلوت کے لضف لباس میں نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ اپنے پورے لباس میں ملبوس نظر آتا تھا[1]

بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل

بلبن کے بڑے بیٹے کا نام محمد سلطان تھا جو بعد کو خان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعلیم وتربیت کے انتظام میں بلبن نے نہایت احتیاط سے کام لیا اسی کا نتیجہ تھا کہ مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہ

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۰۰

Marfat.com

رکھتا تھا فضیلت دانش وہنر میں بھی وہ بے مثل شخص تھا۔ اور اس کا دربار علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ صاحبان فضل و کمال اور شعراء عصر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتے، اور وہ اپنی شاہانہ بخشش سے سب کو مالا مال کر دیتا۔ امیر خسرو جن کی ذات پر ہندوستان کو فخر حاصل ہے اور خواجہ حسن جو بہترین شاعر تھے اس کے علمی دربار کے رکن تھے۔

محمد سلطان کی تہذیب محمد بڑا مہذب و شائستہ تھا کہ علماء کی مجلس میں ایک پہلو سے اس کی رات بسر ہو جاتی وہ چشم نہ کھاتا۔ اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تو صرف "حقا" کہہ دیتا۔ عمر بھر اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں نکلا۔ اس کی مجالس میں زیادہ تر شاہنامہ دیوان خاقانی و انوری خمسۂ نظامی اور اشعار امیر خسرو پڑھے جاتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ :-

"بہ جدت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متاخرین ہیچو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام"

محمد سلطان کی بیاض محمد سلطان کے پاس ایک بیاض تھی جس میں اس نے بیس ہزار اشعار قدماء کے انتخاب کئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن کا بیان ہے کہ "اس سے بہتر انتخاب کوئی دوسرا کر ہی نہ سکتا تھا" جب محمد سلطان شہید ہوا تو اس بیاض کو سلطان بلبن نے امیر علی جامدار کے سپرد کیا۔ اور کچھ

یہاں سے حضرت امیر خسرو کے پاس پہونچی اور اس سے بہت سے صاحبانِ ذوق نے اشعار کا انتخاب کیا۔"

بزرگوں کا احترام ملتان کے قیام کے زمانہ میں شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے درویش تھے تشریف لائے۔ محمد سلطان نے تحائف پیش کر کے ملتان کے قیام کی درخواست کی اور خانقاہ تعمیر کرا کے دیہات وقف کر دینے کا وعدہ کیا لیکن شیخ نے قبول نہ کیا۔

ایک بار صحبت سماع سلطان محمد کے یہاں تھی۔ شیخ عثمان اور شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤالدین ذکریا بھی موجود تھے۔ کسی شعر پر ان لوگوں کو رقت طاری ہوئی تو سلطان محمد فرط تاثر سے بے تاب ہو گیا اور ان حضرات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر زار زار رونے لگا۔ سلطان محمد نے دو بار اپنا خاص آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدی شیرازی کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی لیکن شیخ نے اپنی ضعیفی کا ذکر کر کے معذرت چاہی۔ اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو وہاں موجود ہیں ان کی قدر دانی فرمائی جائے۔[1]

شہادت مغلوں کے مقابلہ میں محمد کو شہادت نصیب ہوئی۔[2]

علماء و مشائخ بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے۔ مثلاً شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج شیخ الشیوخ بہاءالدین زکریا، شیخ صدرالدین بن شیخ بہاءالدین، شیخ بدرالدین غزنوی

---

[1] اسلامی ہند نگار۔ [2] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صفحہ ۱۱۰

خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔[1]

علاوہ مشائخ و علماء کے اور لوگ بھی خاص خاص صفات کے موجود تھے۔ مثلاً ایبک کشلی خاں جو تیر اندازی نیزہ بازی اور دیگر فنون حرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح بلبن کا برادر زادہ علاء الدین محمد بن اعز الدین جو مجلس آرائی اور بخشش و کرم میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ مصر و شام و روم و بغداد و عراق و خراسان وغیرہ سے شعراء اور اکابر علماء آتے تھے اور اس کے بذل و نوال سے بہرہ مند ہو کر نہایت مطمئن و مسرور واپس جاتے تھے۔ ایک بار خواجہ شمس الدین اور خواجہ معین الدین قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص نے چند اشعار علاء الدین کی مدح میں کہہ کر مغنیوں کو یاد کرا دئے اور تاکید کر دی کہ تقریب نوروز (جشن بلبن) میں ان کو گا کر سنائیں۔ جب جشن منعقد ہوا تو مطربوں نے وہی اشعار مدح سنائے۔ علاء الدین بھی موجود تھا۔ یہ سن کر مجلس سے اٹھ گیا اور گھر پہونچکر دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین کو طلب کر کے مجلس نوروز کا تمام سامان و اسباب جو اس نے اپنے لئے ترتیب دیا تھا اٹھا کر خواجہ شمس الدین کو دیدیا اور دس ہزار تنکہ مطربوں کو بلا کر دیا۔ اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں اس کے پاس سوا اس کپڑے کے جو اس کے جسم پر تھا کچھ باقی نہ تھا۔[2]

---

[1] فرشتہ صفحہ ۸۳۔ [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۸۔

حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ

بلبن ادنیٰ درجہ سے ترقی کرکے وزیر پھر بادشاہ بنا اور چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ انتظام سلطنت، عدل و انصاف بیدار مغزی و دوراندیشی، رحم و کرم، علم پروری، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے سلطان بلبن اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا مسرور و مطمئن تھی، عمال امین و متدین تھے۔ علماء و فضلاء شعراء و مشائخ کا ہجوم تھا علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے ابلتا ہوا نظر آتا تھا ملک میں ہر جگہ امن و سکون کی حکومت تھی۔ تمام ایشیاء کے بڑے بڑے شاہزادے امراء اور شعراء دربار کی رونق بڑھا رہے تھے۔ اور حضرات امیر خسرو کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ "اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیاء کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا دہلی پر رشک کر رہا تھا"

فراست و دانائی

غیاث الدین بلبن کی تمام سیاسی زندگی ایک مرقع ہے۔ اس جرأت و بسالت و فراست و دانائی کا جو تمام مسلم فرمانروایان ہند میں بہت کم نظر آتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا راز

بلبن نے مسلسل بیس سال تک ناصر الدین محمود شاہ کی جس محنت و صداقت سے خدمت انجام دی، اس کی اہمیت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ زمانہ کس سازش و بغاوت کا تھا۔ اور مغلوں نے حکومت ہند کے قیام کو کس قدر دشوار بنا دیا تھا۔

Marfat.com

ناصرالدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ قرآن مجید لکھ کر اپنی معاش بہم پہونچاتا تھا۔ اور اس کی اکیلی بیوی بغیر اس کے کہ کوئی خادمہ اس کی مدد کرے کھانا پکایا کرتی تھی۔ وہ ایک فیاض طبیعت فاضل شخص تھا اور ہمیشہ علماء و حکماء کی صحبت پسند کرتا تھا۔ لیکن ساتویں صدی کے پُر آشوب عہد کے لئے وہ یقیناً کسی طرح موزوں نہ تھا جبکہ ہندوستان کو ایک نہایت ہی سخت گیر، جنگجو اور سیاست داں بادشاہ کی ضرورت تھی۔ پھر باوجود ان صفات کے فقدان کے جو کامیابی ناصرالدین کو حاصل ہوئی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ بلبن اس کا دست راست تھا اور اس نے ساری سلطنت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔"

مغلوں کے حملہ کا اندفاع

اس وقت ہندوستان کی اندرونی حالت بھی ہندوؤں کی بغاوت سے خطرناک تھی اور مغلوں کے حملوں نے اور زیادہ اسے ہولناک بنا دیا تھا۔ لیکن یہ بلبن ہی کا دماغ تھا جس نے بیک وقت ان دونوں کا انسداد کر دیا۔

باغیوں کی سرکوبی

اُدھر پنجاب کی طرف شیر خاں اپنے برادر عم کو متعین کر کے مغلوں کی پیش قدمی روک دی اور ادھر اندرون ملک میں باغیوں کی ایسی سخت سرکوبی کی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ علاوہ اس کے اور ایک مصیبت ترک امراء کی بھی تھی جن کی سازشوں اور بغاوتوں نے سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا مگر بلبن ان کا بھی حریف غالب ثابت ہوا۔ اور کامل بیس سال تک

اس نے ناصر الدین کی سلطنت کو اس قدر حسن انتظام کے ساتھ چلایا کہ تاریخ مشکل سے ایسی دوسری نظیر پیش کر سکتی ہے۔"

جب ناصر الدین کے بعد خود اس کا عہد سلطنت شروع ہوا تو حالات بدستور رہے۔ ترک خوانین اب بھی موقع کے منتظر تھے، ہندو بغاوتیں کرنے کے لئے صرف ذرا سا بہانہ چاہتے تھے۔ قرب وجوار کے لٹیرے دہلی کے دروازہ تک آکر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ مغلوں کی جماعتیں سرحد پر منڈلا رہی تھیں، اسلئے اگر اس نے سختی سے کام لیا تو وہ معذور تھا، اور اس کو بہ حیثیت ایک دانشمند فرمانروا کے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے قرب وجوار کی لوٹ مار کا سد باب کیا، اور دہلی کے نواح میں جس قدر گاؤں آباد تھے اُن میں عسکر سلطان نے گھس گھس کر قزاقوں کو گرفتار کیا، جنگلوں کو صاف کیا، اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی قربانی کر کے ان غارتگروں کی کمین گاہوں کو پُرامن قابل زراعت ضلع میں تبدیل کر دیا۔

قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر

اس نے تمام ایسے مقامات میں جہاں فتنہ پردازوں کو فساد پیدا کرنے کا موقع ملتا تھا، قلعے تعمیر کرائے، چوکیاں قائم کیں اور اس طرح تمام ان راستوں کو صاف اور پُرامن بنا دیا، جو بقول ضیاء برنی۔ ساٹھ سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے۔ اور لوگوں کی آمدرفت

Marfat.com

وہاں مسدود تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام نرمی و آسانی سے نہ ہو سکتا تھا
لئے جب بلبن کو کسی ایسے گروہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً شیر کی طرح وہاں پہ
گیا۔ اور شیر ہی کی طرح دشمنوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کو پارہ پارہ کر
اس غرض سے اس نے بہت سے جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوا دیں اور حقیقت
ہے کہ یہ تدبیر اس کی بہت کارگر ہوئی۔

ترک جاگیرداروں کا انتظام

دوسرا مرحلہ ترک جاگیرداروں کا تھا جاگیروں پر اپنا موروثی حق قائم کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ سب بلبن ہی کی قوم و قبیلہ کے تھے اور انہیں چہل امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا ایک فرد خود بلبن بھی تھا، لیکن بلبن نے مطلقاً ان کی رعایت نہیں کی اور بڑی حد تک ترک امراء کے خود سرا اقتدار کو گھٹا دیا۔ حتیٰ کہ شیر خاں کو بھی جو خود اسی کا بنایا ہوا تھا اس نے ف کر دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

تیسری خلش مغلوں کے حملہ کی تھی، چنانچہ بلبن نے اس غرض ایک بڑی زبردست اور بہادر فوج مرتب کی اور اکثر و بیشتر دارالحکومت اپنا وقت صرف کیا۔ تاکہ وہ پوری طرح اپنی مرکزی قوت سے مغلوں کا مقابلہ کر سکے اگر وہ کبھی اس طرف کا رخ کریں، یہی سبب تھا کہ اپ ساری حکومت میں اس نے دور دراز مقام کی صرف ایک ہم (بنگال) اخ کی، جہاں عرصہ سے لوگ آمادہ بغاوت تھے اور حاکموں کا اقتدار قریب قریب اٹھ چکا تھا۔

Marfat.com

بختیار خلجی کے بعد سے پندرہ گورنر وہاں حکمران رہ چکے تھے۔ لیکن چونکہ دہلی سے بنگال بہت دور واقع تھا اس لئے مرکزی حکومت کا اثر وہاں بہت کمزور تھا۔

بنگال کی مہم

جس وقت غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا تو طغرل (بلبن کا محبوب ترین غلام) بنگال کا گورنر تھا۔ اس کو اوڑیسہ کی طرف بہت کامیابی ہوئی اس لئے کچھ تو وہاں کی دولت سے بدمست ہو کر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ بلبن مغلوں کے خلاف اپنی تدابیر میں مصروف ہے۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بلبن نے ایک فوج اُس طرف روانہ کی لیکن طغرل نے تلوار اور دولت دونوں کی قوت سے کام لے کر کامیابی حاصل کی اور افواج دہلی کے اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔

بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی

بلبن جو ان مناظر سے آشنا نہ تھا، یہ خبریں سن کر سخت برافروختہ ہوا اور اس نے فوج کے جنرل اتگین کو اودھ میں سولی دے کر اپنا غصہ فرو کیا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ فوج روانہ کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اب بلبن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ خود وہاں جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ محمد کو تو مغلوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا، اور خود اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو ساتھ لے کر باوجود اس کے کہ بارش سخت تھی لکھنوتی کا عزم کر دیا کہیں

Marfat.com

اس نے دریاؤں کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کیا کہیں کیچڑ پانی میں یونہی گھوڑا ڈال کر وادیوں کو طے کیا۔ الغرض عجیب و غریب سکندرانہ عزم کے ساتھ اس نے کوچ کیا۔ حتیٰ کہ لکھنوتی پہنچ گیا۔ یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ طغرل مع اپنی فوج اور ذخائر کے جاجنگر بھاگ گیا ہے۔

بلبن اس سے اور زیادہ برہم ہوا اور عہد کیا کہ "میں دہلی کا اس وقت تک نام بھی نہ لوں گا جب تک کہ باغیوں کا اچھی طرح خون نہ بہالوں" چنانچہ طغرل بیگ کا تعاقب کیا گیا اور کچھ عرصہ تک مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ چند دن بعد اتفاق سے بلبن کے ایک دستہ فوج کو تجاروں کا ایک قافلہ ملا جو طغرل کے لشکر سے واپس آرہا تھا اس سے سارا پتہ معلوم ہوا اور چالیس سپاہیوں کے "مقدمتہ الجیش" نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دشمن کے سپاہی اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی گا بجا رہا ہے۔ کوئی کپڑے دھو رہا ہے۔ ہاتھی گھوڑے اِدھر اُدھر چر رہے ہیں۔ اس دستہ نے خیال کیا کہ اگر اصل فوج کو خبر کی گئی تو اس وقت تک طغرل یہاں سے کوچ کر جائے گا اس لئے انہوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور سیدھے طغرل کے خیمہ میں حملہ کر دیا۔ طغرل یہ ہنگامہ سن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگا لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ بعد کو اس کے ساتھی بازار لکھنوتی میں تہ تیغ کر دئیے گئے۔

بلبن جب اس سے فارغ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو بلا کر، یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اور حلف لیا کہ وہ تمام بنگال کو اپنے قبضہ میں

Marfat.com

لاکر ہمیشہ اطاعت کرتا رہیگا۔ اس کے بعد اس نے شاہ زادے سے پوچھا "کیا تم نے دیکھا" وہ اس سوال کا مطلب نہ سمجھا۔ دوبارہ پھر یہی پوچھا تو وہ اس مرتبہ بھی خاموش و متحیر رہا۔ تیسرے بار پھر بلبن نے یہی سوال کیا اور اسی کے ساتھ یہ تفصیل بھی بیان کی کہ "تم نے دیکھا جو سزائیں میں نے باغیوں کو دی ہیں۔ اگر کبھی تم نے حکومت دہلی سے انحراف کیا تو یاد رکھو کہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا، جو تم نے ابھی بازار لکھنوتی میں دیکھا۔" اس تنبیہ کے بعد بلبن تو دہلی واپس چلا آیا اور تقریباً نصف صدی تک بغرا خاں اور اس کی اولاد نے بنگال میں حکومت کی۔

انتقال بلبن کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہوگئی تھی۔ اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہار تاثر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخر کار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیر باد کہہ گیا۔

بلبن نے بہ حیثیت شاہ و وزیر چالیس سال تک حکومت کی یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

معزالدین کیقباد

بلبن نے اپنی اولاد میں جانشین نہ چھوڑا تھا۔ اس کا منشا محمد کو ولی عہد بنانا تھا۔ جب وہ شہید ہوگیا تو اس نے بغرخاں کو طلب کیا لیکن اس نے بنگال کی پُر تعیش زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے بلبن نے برہم ہوکر محمد کے بیٹے کیخسرو کو نامزد کر دیا۔

جب بلبن کا انتقال ہوا تو امراء نے کیخسرو کو نظر انداز کر دیا اور بغرا کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کر دیا۔ یہ ایک اچھے اخلاق کا شاہزادہ تھا لیکن اس کی پرورش اس قدر خلوت میں ہوئی تھی کہ وہ سوائے لطف و تفریح کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہ تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے عیش و عشرت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔ اور سارا انتظام سلطنت اپنے نائب نظام الدین کے سپرد کر دیا۔

نائب السلطنت کے نظام

نظام الدین بے انتہا ہوشیار شخص تھا اس لئے اُس نے کیقباد کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خود بادشاہ بن جانے کی تدابیر شروع کیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کیخسرو پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے بعد نومسلم مغلوں کا قتل عام کرایا جو دہلی میں آباد تھے۔ اس نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی کشیدگی پیدا کرادی۔ لیکن بعد کو جب اودھ میں دریائے سرجو پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو

Marfat.com

معاملہ صاف ہوگیا اور برہمی دور ہوگئی۔[۱]

وزیر نظام الدین کا قتل

جب دہلی واپس آیا تو وزیر نظام الدین کو زہر دے کر مروا ڈالا اور اس کے بجائے جلال الدین خلجی گورنر سامانہ وزیر مقرر ہوا۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں لکھا ہے کہ جب سلطان کیقباد ۶۸۶ھ میں تخت نشین ہوا تو پانچ ہزار امرا اس کے دربار میں تھے اور ایک لاکھ فوج اس کی حضوری میں رہتی تھی اور اس کی سلطنت بنگال سے دریائے سندھ تک وسیع تھی۔

اس کو علم و ادب کا فطری ذوق تھا لیکن لہو و لعب کی مشغولیت سے وہ سب محو ہوگیا اور اس کا زمانہ بہ اعتبار ترقی علم و ہنر اور حسن انتظام کے بہت ناکامیاب ثابت ہوا۔ سلطان کیقباد غلام خاندان کا آخری فرماں روا تھا۔

---

[۱] حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس کشیدگی و ملاقات کا حال تفصیل سے درج کیا ہے۔

Marfat.com

خاندان خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ھ
۱۲۹۰ - ۱۲۹۵ء

سلطان کیقباد کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے۔ اولین فرمانروا جلال الدین تھا اور آخری ناصر الدین خسرو شاہ۔ جلال الدین فیروز شاہ کی تاریخ اورنگ نشینی امیر خسرو نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ تحریر کی۔ اور یہی تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ بادشاہ ہوتے ہی چھتر شاہی کا رنگ سرخ تھا اس کے بجائے سفید کیا گیا اور بلبنی خاندان کے ساتھ حسن سلوک ہوا۔ بلکہ بلبن کے برادر زادہ ملک چھجو کو کڑہ کی ولایت سپرد کی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام و خواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے اور قصر کیلو کھڑی میں جا کر اس کی معیت کی غرضکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو ناتمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کے اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا مسجد و بازار کی طرح

Marfat.com

ڈالی۔ اُمراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں۔ اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی بگڑ کر نئی دہلی قائم ہوگئی۔ اور بادشاہ نے مستقلاً یہیں سکونت اختیار کرلی۔

سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحم دل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں درگزر کردیں۔

جلال الدین کی سلامت طبع

جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قصر کے پاس اترا تو اس نے نماز شکرانہ ادا کی اور باواز بلند کہا کہ میں کیونکر خدا کا شکر ادا کرسکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں نے برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں اس کے بعد وہ کوشک محل میں جو غیاث الدین بلبن کا محل خاص تھا گیا اور وہاں پہونچتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ ملک احمد جبیب نے عرض کیا کہ "سواری سے اترنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ قصر بھی بادشاہ کی ملکیت ہے۔" جلال الدین نے کہا کہ "یہ میرے آقائے ولی نعمت کا قصر ہے اور مجھ پر تعظیم فرض ہے۔" پھر ملک جبیب احمد نے کہا کہ "بادشاہ کو یہیں سکونت اختیار کرنی چاہیئے۔" جلال الدین نے جواب دیا کہ "اس عمارت کو شاہ بلبن نے اپنی سرداری کے عہد میں تعمیر کرایا ہے اس لئے یہ اس کے ورثا کی ملکیت ہے میں صرف عارضی مصلحت کی وجہ سے قواعد اسلام کو ترک نہیں کرسکتا۔" جب کوشک محل کے اندر

Marfat.com

جلال الدین پہونچا تو وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جہاں شاہ بلبن بیٹھا کرتا تھا بلکہ امراء کی نشست میں جلوس فرما کر حاضرین سے کہا کہ ایتمر کچن اور ایتمر سرخہ کا گھر تباہ ہو کہ انھوں نے میرے مار ڈالنے کا قصد کیا اور میں اپنی جان کے اندیشہ سے اس گناہ کا مرتکب ہوا ورنہ کہاں بادشاہی اور کہاں میں دیکھئے مآل کار کیا ہوتا ہے اور میری اولاد پر کیا گزرتی ہے ۔

حلم وکرم جلال الدین بے انتہا حلیم وکریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دینا تو کبھی اس میں تغیر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہوتا تو بھی انہیں ذلیل نہ کرتا۔ وہ امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان سے ملتا۔

علم پروری وہ علم دوست بھی اسی درجہ کا تھا، حضرت امیر خسرو، تاج الدین عراقی، خواجہ حسن، موید جاجرمی، موید دیوانہ امیر ارسلاں کلاہی وغیرہ جو اپنے عہد کے بڑے فاضل وکامل لوگ تھے، جلال الدین کے ندیم تھے، امیر خاصہ، حمید راجہ غزل خوانان دربار میں سے تھے، اور محمد شاہ چنگی، فتوخاں، نصیر خاں اور بھرورہ جو موسیقی کے بے بدل ماہر تھے اس کے مطرب تھے، امیر خسرو روز اس کی مجلس میں کوئی نہ کوئی نئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی، جب جلال الدین عہدۂ میر جانداری سے ترقی پا کر عارض ممالک کے درجہ پر پہونچا تو اسی وقت امیر خسرو کو اپنے پاس بلا لیا، اور سفید جامہ وکمربند عنایت کر کے جو امراء کبار کے لئے مخصوص تھا، ان کو مصحف داری کی

Marfat.com

خدمت سپرد کردی، اور بہت بڑا منصب مقرر کردیا جب بادشاہ ہوا تو یہ التفات اور زیادہ بڑھ گیا، اور دہلی کے شاہی کتب خانہ کا اہتمام امیر خسرو کے سپرد کردیا[1]

جلال الدین کی شاعری

جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا چنانچہ بدایونی نے اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں:-

آں زلفِ پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یک شب بہ کنارائی
ہاں بانگ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم

اسی طرح جب وہ محاصرۂ گوالیار میں مصروف تھا تو وہاں اس نے ایک عمارتِ مقبرہ تیار کرائی اور یہ رباعی تصنیف کی تاکہ بطور کتبہ کے وہاں درج کی جائے:-

مارا کہ قدم بر سر گردوں ساید
از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگ شکستہ زاں نہادیم درست
باشد کہ دل شکستۂ آسا ید

باغیوں کے ساتھ سلوک

غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے ولایت کڑہ میں سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کردیا اور ایک عظیم

[1] فرشتہ صفحہ ۹۰ و طبقات اکبری صفحہ ۶۱

Marfat.com

لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب یہ خبر شاہ جلال الدین خلجی کو پہونچی تو اس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ہراول بنا کر آگے روانہ کیا اور خود بارہ کوس کے فاصلہ سے عقب میں روانہ ہوا، ارکلی خاں اور چھجو کا مقابلہ ہوا جس میں چھجو کو شکست ہوئی۔ ارکلی خاں نے امیر میر جا مار اور دوسرے باغی امراء کو قید کر کے ان کی گردن میں دوشاخہ ڈال کر اونٹوں پر سوار کر دیا اور اپنے باپ کے پاس اسی حال میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہونچے تو اس نے فوراً اپنی آنکھ پر رومال ڈال لیا اور بے اختیار ہو کر چیخ پڑا کہ "یہ کیا ہے؟ فوراً ان لوگوں کو اتارو اور حمام میں لے جاؤ۔" جب یہ لوگ نہا چکے تو خاص خلعتیں عطا ہوئیں اور دربار میں بلا کر حد درجہ نرمی و محبت سے ان کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے اس طرز عمل سے یہ لوگ سخت منفعل ہوئے لیکن بادشاہ اس کو بھی گوارہ نہ کر سکا اور کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بغاوت کر کے کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہ تھا کہ مجھ سے مخالفت نمک حرامی ہوتی بلکہ تم نے اپنے ولی نعمت کی طرفداری کی اور تمہارا فرض تھا۔"

خوں ریزی سے احتراز

اتفاق سے چند دن بعد چھجو کو بھی کسی زمیندار نے گرفتار کر کے پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور ملتان بھیج کر وہاں کے حاکم کو لکھا کہ "شاہ بلبن کے برادر زادہ کو نہایت دلجوئی سے رکھا جائے، اور اس

کے لئے تمام سامان عیش وتفریح کا مہیا کیا جائے " لوگوں نے کہا کہ
دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں ہے ان کو قتل کر دینا چاہیئے
لیکن سلطان جلال الدین نے کہا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اور اسوقت
تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اب وقت آخر میں مجھے اس پر مجبور
نہ کرو"

اس واقعہ کو ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں نہایت
تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "خود حضرت امیر خسرو نے اس
واقعہ کی روایت اس سے کی تھی"[1]

نرمی و آشتی پسندی سلطان جلال الدین کی نرمی و آشتی پسندی
سے بعض مفسد مزاج خلجی برہم تھے اور
نشۂ شراب کے وقت بسا اوقات کہ گذرتے تھے کہ "ایسے بادشاہ کو قتل
کر ڈالنا چاہیئے" سلطان جلال الدین کو یہ خبریں ملتی تھیں تو وہ ہمیشہ
یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ "شراب کے نشہ میں انسان ایسی ہی فضول باتیں بکا
کرتا ہے ان پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے"

جب سلطان کا رحم و کرم اس حد تک بڑھ گیا تو ایک دن ملک
تاج الدین کوچی کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوئے۔ اور نشہ کی حالت میں
یہ فیصلہ کیا کہ "ملک تاج الدین بادشاہ ہونے کے قابل ہے" ایک نے
کہا کہ "میں اس نیم شکاری (چاقو) سے جلال الدین کا فیصلہ کئے دیتا ہوں"

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۱ طبقات اکبری صفحہ ۵۸

دوسرے نے کہاکہ "ابھی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دونگا" بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو طلب کیا۔ اور برہم ہوکر ایک تلوار ان لوگوں کے سامنے ڈال دی اور کہاکہ "اگر تم میں کوئی مرد ہے تو اسی وقت نکل آ اور مجھ سے مردانہ فیصلہ کرلے۔ ورنہ یوں فضول مزخرفات بکنے سے کیا فائدہ ہے" سب لوگ نادم و منفعل کھڑے تھے، اور بادشاہ کا غصہ بڑھ رہا تھا، آخر ملک ناصر "دوات مار" نے جو بادشاہ کا ندیم تھا، اور خود بھی اس سازش کرنے والی جماعت میں شریک تھا عرض کیا کہ "جہاں کو معلوم ہے کہ نشہ کی حالت میں انسان کے منھ سے ایسی ہی فضول باتیں نکل جاتی ہیں۔ اور اگر بادشاہ مواخذہ کرے گا تو ہم لوگوں کے لئے مفر کہاں ہے، سلطان جلال الدین کا غصہ اس الحاح سے فرو ہوگیا اور کسی کو معمولی تنبیہ بھی نہیں کی[1]

عفو و کرم کی مثال

غیاث الدین بلبن کے عہد میں جب جلال الدین نائب سمانہ اور سرجاندار تھا، تو صوبہ کیتھل اس کی حکومت میں تھا، اس نے مولانا جلال الدین سے جو شعرائے عصر میں سے تھے، اور جن کے پاس ایک گاؤں مدد معاش میں بطور جاگیر وظیفہ کے تھا، حسب قاعدہ خراج طلب کیا۔ مولانا نے برہم ہو کر جلال الدین کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی، اور اس کا نام خلجی نامہ رکھا، جب جلال الدین بادشاہ ہوا تو یہ ڈرے اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر

[1] طبقات اکبری صفحہ ۶۰

Marfat.com

گناہ گاروں کی طرح دربار میں حاضر ہوئے لیکن سلطان جلال الدین نے نہایت عزت سے ان کی پذیرائی کی اور خلعت فاخرہ اور انعامات سے سرفراز کرکے اس گاؤں کے علاوہ ایک گاؤں اور جاگیر میں دیا[۱]

اس سے زیادہ دلچسپ اور واقعہ ہے جس زمانہ میں جلال الدین نائب سمانہ اور منڈاہروں کے دیہات پر تاخت میں مصروف تھا تو ایک منڈاہر نے اس کے چہرے پر آکر تلوار ماری اور ایسا سخت زخمی کیا کہ جلال الدین ایک سال تک بیمار رہا اور زخم کا نشان آخری عمر تک نہ گیا۔ جب جلال الدین بادشاہ ہوا تو یہ منڈاہر بھی مولانا جلال الدین کی طرح گلے میں رسی ڈال کر حاضر ہوا۔ سلطان نے اس کو دیکھ کر کہا میں نے اس منڈاہر جیسا کوئی مرد نہیں دیکھا" اور علاوہ خلعت وغیرہ کے ایک لاکھ جیتل کا وظیفہ مقرر کیا۔"

سلطان جلال الدین نے چونکہ مغلوں کے مقابلہ میں متعدد بار جنگ کی اور کامیابی بھی حاصل کی اس لئے اس کے ذہن میں آیا کہ اسے مجاہد فی سبیل اللہ کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا، اس لئے اس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :۔

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے گی۔ چنانچہ ملکہ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۴۲

Marfat.com

جائز بلکہ واجب ہے، اور جلال الدین کے حضور میں جاکر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے" سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا، اور آبدیدہ ہوکر کہا کہ "میں نے ملکہ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا، اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں، اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کرسکتا۔

امن پسندی

جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائیں اور مالوہ فتح کرکے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرادیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہونچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا ہے جس میں مورخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں، لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم ولطف پر کوئی الزام اس سے عاید ہوتا ہے۔ تمام مورخین نے اس واقعہ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

Marfat.com

سید مولا کا قتل

سیدی مولا ایک درویش تھا جو "ولایت ملک بالا" سے عہد بلبن میں دہلی آیا تھا۔ ملحفات شیخ علی الدین بیجاپوری میں لکھا ہے کہ "یہ جرجان سے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو ہندوستان آیا تھا اور حضرت شکر گنج کی اجازت سے عہد بلبن میں دہلی آیا تھا۔ یہ ایک بزرگ صورت صوفی منش تھے۔ بہت جلد ان کی شہرت عام ہو گئی۔ اور تمام امراء خوانین و ملوک اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا لیکن اس کے مصارف شاہانہ تھے اور اسی وجہ سے لوگ زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اس نے زر کثیر صرف کر کے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور نہایت فراخدلی کے ساتھ لنگر جاری کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار من میدہ، دو سو من قند، دو سو من شکر، پانسو من گوشت، اور اسی قدر گھی کا صرف تھا۔ علاوہ اس کے وہ نہایت دریا دلی سے ایک ایک شخص کو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دیدیتا تھا۔ الغرض اس کی زندگی ایک معمہ تھی اور مخلوق نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا تھا۔ جب سلطان جلال الدین کا زمانہ آیا تو بھی اس کی یہی حالت تھی۔ اور تمام امراء وغیرہ وہاں حاضری دیا کرتے تھے ان ہی لوگوں میں ایک شخص قاضی جلال الدین کاشانی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر کے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کر دی اور اب خانقاہ سلطان

Marfat.com

جلال الدین کے خلاف سازش کا مرکز ہو گئی۔ چند دن بعد سازش مکمل ہو گئی۔ اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو جب بادشاہ نماز کے لئے باہر نکلے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور سیدی مولا کے دس ہزار مرید جمع ہو کر اپنے پیر کو تخت پر بٹھا دیں۔ اتفاق سے ایک شخص اس سازش میں ایسا بھی تھا جو سلطان جلال الدین کا بہی خواہ تھا۔ اس لئے وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا۔ اور تمام حالات مفصل عرض کر دئے۔ بادشاہ نے ان سب کو طلب کر کے دریافت کیا تو سب نے انکار کر دیا۔ اور تحقیقات سے بھی کوئی شہادت ایسی فراہم نہ ہو سکی جو جرم کو ثابت کر دیتی۔ لیکن چونکہ دیگر ذرائع سے اس سازش کا پایا جانا یقینی طور سے ثابت ہو چکا تھا۔ اسلئے قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں عہدۂ قضا پر بھیجدیا گیا۔ اور دیگر امراء کو جو سازش میں شریک تھے خارج البلد کرا دیا۔ بعدۂ سیدی مولا دست بستہ قصر کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ اسوقت کوٹھے پر بیٹھا تھا بادشاہ نے مولا سے گفتگو کی اس وقت شیخ ابوبکر بھی جو جلال الدین کا بے انتہا ممنون تھا، اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں موجود تھا اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "دیکھو سیدی مولا نے مجھ پر کیسا ظلم کیا ہے۔ کچھ تمہیں انصاف کرو" یہ سنتے ہی طوسی کے ایک مرید نے سیدی مولا پر حملہ کیا اور استرہ سے اس کو کئی جگہ زخمی کیا، قبل اس کے کہ سلطان کوئی آخری فیصلہ کرتا شاہزادہ ارکلی خاں نے وہیں بالا سے ایک فیل بان کو اشارہ کیا اور اس نے دفعتہً اپنے ہاتھی سے سیدی

کو کچل دیا[1]

جلال الدین کو سازش کا حال برمحل نہ معلوم ہو جاتا تو نتیجہ یہی ہوتا کہ جلال الدین قتل کر دیا جاتا اور سلطنت اگر سیدی مولا کو نہ ملتی تو بھی ملک میں نقص امن اور فساد تو ضرور ہی ہو جاتا۔

حسن اتفاق اس دن آندھی آئی اور اس سال قحط پڑا عوام یہ سمجھے کہ سید مولا کے قتل کی وجہ سے یہ صورتیں پیش آئیں مگر یہ باتیں بجز وفیج ہیں۔

صفات سلطان جلال الدین اپنی صفات کے لحاظ سے عجیب و غریب بادشاہ تھا اور اس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو اس کے فطری رحم و رافت کے منافی ہو۔

علاؤالدین کی سرکشی سنہ ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں جب چھجو نے بغاوت کی تو حکومت کڑہ علاؤالدین کے سپرد کی گئی جو جلال الدین کا بھتیجہ بھی تھا اور داماد بھی۔ یہ بڑے عزم کا شخص تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے مقبوضات کو بہت زیادہ وسیع کر لے، چنانچہ اس نے چند دن بعد بھلسہ پر لشکر کشی کی اجازت بادشاہ سے طلب کی اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے دہلی آیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اقطاع کڑہ کے ساتھ اقطاع اودھ کا بھی اضافہ اس کی حکومت میں کر دیا۔ علاؤالدین نے بادشاہ سے چندیری پر تاخت کی اجازت

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۳۔ تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۶ - ۱۷ -

Marfat.com

طلب کی اور وہ بھی اس کو دی گئی چنانچہ یہ کڑہ واپس آیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ چندیری کا صرف ایک بہانہ تھا۔ مقصود اس کا دکن کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہاں اپنی حکومت مستقلاً قائم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ساس ملکہ جہاں آرا اور اپنی بی بی سے آزردہ تھا اس لئے کہیں دور جگہ رہنا چاہتا تھا لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کا حوصلہ موجود خدمات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند تھا اور وہ جلال الدین شاہ کی محبت و کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک خود مختارانہ فرمانروا کی حیثیت پیدا کرنے کا آرزومند تھا۔

کڑہ میں اس نے کسی سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور سیدھا ایلچ پور پہونچا اور ۶۹۳ھ / ۱۲۹۴ء میں یہاں سے چل کر دیوگیر فتح کیا اور بہت سا مال غنیمت لیکر خاندیس ہوتا ہوا مالوہ کا رخ کیا اور یہاں سے کڑہ پہونچا۔

سلطان جلال الدین اس وقت گوالیار کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اسے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ علاؤالدین کی طرف سے مشتبہ ہو گیا تھا۔ اس لئے امراء سے رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہئے بعض نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کو چندیری پہونچکر ڈیرے ڈال دینا چاہئے تاکہ جب علاؤالدین اس طرف سے گزرے تو مجبوراً اسے حاضر ہو کر سارا مال غنیمت پیش کر دینا چاہئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کثرتِ دولت سے اس کا دماغ منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کرلے، بادشاہ کو یہ رائے پسند

Marfat.com

نہیں آئی اور دہلی واپس آ گیا

چند دن بعد علاؤ الدین کی عرضداشت کڑہ سے پہونچی کہ میں تمام مال غنیمت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں، لیکن اس خیال سے کہ میں ایک سال سے حاضر نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ میرے دشمنوں نے بادشاہ کو بدظن کردیا ہو۔ اس لئے آتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر عفو و تقصیر کا فرمان خط مبارک سے لکھ کر بھیجدیا جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ علاؤ الدین نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں شروع کردیں کہ اگر بادشاہ مع لشکر کے آئے گا تو وہ لکھنوتی پہونچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کریگا۔

جب علاؤ الدین نے بادشاہ کو یہ عرضداشت روانہ کی تو ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس بھی روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بادشاہ میری جان کا مالک ہے اور رنجش نے میری زندگی تلخ کردی ہے۔ اگر واقعی وہ میرے خون کا پیاسا ہی ہے تو مجھے مطلع کرو تاکہ میں زہر کھا کر مرجاؤں یا کسی طرف نکل جاؤں۔ لیکن یہ خط صرف بادشاہ کے دکھلانے کا تھا خفیہ طور سے اس نے اپنے بھائی کو لکھ بھیجا تھا کہ اس خط کو دکھا کر بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ بغیر لشکر کے کڑہ چلا آئے۔

چنانچہ الماس بیگ نے ایسے رنگ میں اس کا معاملہ پیش کیا کہ جلال الدین تنہا کڑہ جانے پر راضی ہوگیا۔ اور الماس بیگ کو پہلے روانہ کردیا اور ایک ہزار سوار لے کر کیلوگڈھی سے روانہ ہوا جب ڈبائی پہونچا تو خشکی کا سفر چھوڑ کر دریا کا سفر اختیار کیا۔ اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء کو

کٹرہ پہونچا۔

جلال الدین کا قتل

علائ الدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ تنہا بادشاہ کو کشتی میں بیٹھا کر لے آئے اور فوج ہمراہ نہ آسکے چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین اوس وقت جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر اُتر کر علاءالدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی۔[1]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۴۳ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی

سلطان علاؤالدین خلجی[1]

۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء تا ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء

علاؤالدین اپنے چچا جلال الدین خلجی[2] کے عہد میں اس کی طرف سے کڑہ مانک پور کا حاکم تھا۔ ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہونے کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بندیلکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان وندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا اور ۸۰۰۰ نفوس کو لے کر دیوگڑھ پہونچا اور اس کو فتح کر لیا پھر دکن کی طرف بڑھ کر ایلچ پور پر قبضہ کیا ان فتوحات سے علاؤالدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ علاؤالدین نے اپنے چچا اور خسر سلطان جلال الدین کو قتل کرا کے سلطنت دہلی حاصل کی جو تاریخ اسلام کا بدترین داغ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ فعل اسلام کے خلاف تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی شخص

---

[1] جلال الدین کے قتل کی خبر اس کی بیوی ملکہ جہاں کو ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خاں ابراہیم کو رکن الدین کا خطاب دے کر تخت نشین کیا۔ بڑے بیٹے ارکلی خاں کا انتظار نہیں کیا وہ ملتان میں تھا وہ برہم ہو گیا۔ رکن الدین علاؤالدین کی آمد تک دلی کا حکمران رہا۔

[2] تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶ تا ۷۵

Marfat.com

جس نے اپنی سلطنت کی ابتدا رسفاکی سے کی ہو۔ یا عتبار نظم و نسق
بہ لحاظ فتوحات، بہ حیثیت دولت واقبال ایسا کامیاب حکمراں ثابت
ہوا کہ تاریخ میں جس کی نمایاں حیثیت ہے ۔

علاؤالدین کی بیدار مغزی یہ صحیح ہے کہ علاؤالدین ظالم و سفاک تھا، جاہل و ناشائستہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادے کا شخص تھا۔

سلطنت کی رونق علاؤالدین نے بیس سال تک حکومت کی اور اس زمانہ میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے، بڑے بڑے راجاؤں نے سر اطاعت خم کر دیا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی، سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلاء سرزمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہو گئیں، مساجد کی رونق بڑھ گئی، مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبان دل اصفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے، دربار اساتذہ فن کا مرکز بن گیا۔ ارزانی حیرت انگیز طریقہ تک بڑھ گئی، اور سلطنت ایسی نظر آنے لگی کہ اس سے پہلے جس کی نظیر نہ تھی۔ یہ تھا نظام حکومت اس مسلمان بادشاہ کے عہد کا جس کا شمار حد درجہ کے ظالم لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

داد و دہش جب علاؤالدین کڑہ سے دہلی کی طرف تخت نشین ہونے

کے لیئے چلا تو اس نے حکم دیا کہ آزادی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا جائے اس سے مقصود یہ تھا کہ دہلی پہونچتے پہونچتے ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہوجائے چونکہ جلال الدین کے قتل سے لوگوں میں برہمی پیدا ہوگئی تھی، اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید دہلی میں جنگ کرنی پڑے، اس لیئے اس نے اس ذریعہ سے لوگوں کو مالوف کرنا چاہا اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ کرلی، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ :-

"ہر منزل پر پانچ من وزن ستارے (اختر زر) ایک سیک سی منجلیق میں رکھ کر اڑائے جاتے تھے - اور ہزاروں آدمی ان کے لوٹنے کے لیئے جمع ہوجاتے تھے"

تخت نشینی اسی طرح جب بعض امراء و خوانین دہلی سے علاؤالدین کے روکنے کے لیئے روانہ کیے گئے تو علاؤالدین نے ان سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ دولت کے زور سے اُن کا مقابلہ کیا، اور اس طرح سلطان جلال الدین (مرحوم) کی تمام فوج کو اپنا طرفدار بنالیا۔ حسب روایت تاریخ علائی[1] ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ کو اور حسب روایت بیان تاریخ وصاف ذی قعدہ ۶۹۵ھ میں علاؤالدین دہلی پہونچا جہاں وہ دوبارہ (صحیح معنی میں) تخت نشین ہوا۔

علاؤالدین نے عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر خاندان و امرائے جلالی میں سے ان لوگوں کو جن کی طرف سے ادعائے حکومت و تحریک

---

[1] تاریخ علائی کا نام خزائن الفتوح ہے جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا تہ تیغ کرا دیا۔ دوسری طرف دولت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طرف سے برہمی ختم ہو گئی۔ لوگ رام ہو گئے اور اس کے طرفدار بن گئے جس میں ضیاء برنی کے چچا اور باپ بھی تھے۔ برنی کے چچا ملک علاء الملک کو ولایت کڑہ سپرد کیا گیا اس کے باپ موئد الملک کو قصبہ برن کی نیابت و خواجگی مرحمت کی [1]

عزم و ثبات سلطان علاؤالدین بے انتہا سخت اور ظالم ہونے کی حد تک سخت گیر تھا لیکن وہ ایک بے مثل سپاہی اور بڑے زبردست عزم کا بادشاہ تھا۔ جس وقت علاؤالدین کو معلوم ہوا کہ قتلغ خواجہ پسر دوا خاں (ماوراء النہر کا بادشاہ) دو لاکھ مغلوں کی جمعیت سے دریائے سندھ کو عبور کر چکا ہے۔ اور اب تسخیر دہلی کے لئے چلا آرہا ہے اور اس فتنہ مغل سے خائف ہو کر ہزاروں آدمی قرب و جوار کے بھاگ بھاگ کر روزانہ دہلی میں پہونچ رہے تھے۔ گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور محلات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان پناہ گزینوں سے نہ بھر گئی ہو۔ غلہ اور تمام اشیاء سخت گراں ہو گئی تھیں۔ چنانچہ علاؤالدین نے امراء کو جمع کر کے سب کی رائے طلب کی۔ چونکہ دہلی کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ مغلوں کی مدافعت آسانی سے ہو سکتی۔ اس لئے اکثر امراء نے یہی رائے دی کہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام لے کر اس فتنہ کو دفع کر دینا چاہیے علاؤالدین نے یہ سن کر کہا کہ :۔

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۶۸

"جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بتائیے کہ میں دنیا کو اپنی صورت کیونکر دکھا سکوں گا۔ کیا منہ لے کر گھر میں جاؤں گا اور میں کیا سلطنت کروں گا۔ نتیجہ جو کچھ ہو میں ان مغلوں سے جنگ کروں گا۔"

چنانچہ اس نے الغ خاں اور ظفر خاں کو سپاہ بیکراں کے ساتھ روانہ کیا اور شہر کا مناسب انتظام کیا۔

مغلوں کی شکست

علائی فوج نے لاہور کے حدود میدان کیلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤالدین تاجِ فتحمندی سر پہ رکھے ہوئے دلی واپس آیا۔ اور اپنے نام کے خطبہ میں اور سکوں میں سکندر ثانی کا لقب اضافہ کیا۔[۱]

مشاورت فی الامر

سلطان علاؤالدین خودسر بادشاہ ہونے ہوئے ہمیشہ تمام امور ملکی میں اپنے امراء سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ایک صائب رائے کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو ترک کر دیتا تھا۔

نئے مسلک کے اجراء اور فتح عالم کا خیال

سلطان علاؤالدین نے دو سال کے اندر تمام خطرات کو دفع کر دیا اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کے حدود سلطنت کو بہت زیادہ وسیع کر دیا اور گجرات وغیرہ پر قابض ہو کر تمام

[۱] بدایونی، ۱۹۴ فرشتہ ۱۰۳-۱۰۴۔ طبقات اکبری ۷۰

Marfat.com

امور سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت وجبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن سوچا کہ جس طرح نبی آخر الزماں نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو رواج دیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یار (الاس بیگ الغ خاں، ملک ہزبر الدین ظفر خاں، ملک نصرت خاں، سنجر الپ خاں) کی مدد سے کوئی شریعت قائم کروں تو میرا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اس نے یہ قائم کیا کہ جس طرح سکندر رومی نے کشورکشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی اسی طرح میں بھی خراساں و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان و حبش وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔

جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا۔ اور اس کے امراء وندیم خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ ایک دن علاءالملک کوتوال کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا اس نے جرأت سے کام لیکر علاؤالدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اب سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے، اس لئے یہ خیال قائم کرنا سخت نادانی اور خلاف انصاف ہے، رہا سکندر کی طرح ع۔م جہاں کشائی کرنا سو اس کے لئے دیکھ لیجئے کہ آپ کے پاس کوئی وزیر ارسطاطالیس کی طرح ہے جو آپ کی غیبت میں انتظام سلطنت کو درہم وبرہم نہ ہونے دے " یہ سن کر علاؤالدین نے کہا کہ پھر اب میں کیا کروں، یہ تمام خزائن و دخائر

Marfat.com

کس کام میں لائے جائیں؟ علاؤ الملک نے کہا کہ ابھی تو ہندوستان کا سارا جنوبی حصہ تسخیر کے لئے پڑا ہوا ہے۔ ارتنبھور، چندیری، چتوڑ، مالوہ، دھار اجین فتح کیجئے۔ علاوہ اس کے حدود کابل کا مستحکم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مغلوں کی طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔"

علاؤالدین کی حق پسندی

سلطان علاؤالدین نے یہ سن کر اپنے خیال سے توبہ کی اور اسی وقت علاؤ الملک کو دس ہزار تنکہ دو آراستہ گھوڑے نہایت قیمتی زرین خلعت طلائی کمر بند جو وزن میں نصف من تھا اور دو گاؤں انعام میں دیئے[1]

سلطان علاؤالدین راست پسندی کے ساتھ اصول سیاست سے بھی کما حقہٗ واقف تھا۔ اور نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے تمام ذرائع صرف کر دیا کرتا تھا۔ جب وہ قلعہ ارتنبھور کی تسخیر کے لئے آمادہ ہوا اور وہاں توقع سے زیادہ اس کو دیر لگی تو دہلی میں مسلسل تین چار سازشیں اس کے خلاف ہوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان شاہ اکت خاں (برادر زادہ علاؤالدین) نے سازش کی۔ اور اپنے نزدیک سلطان علاؤالدین کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن کامیاب نہیں ہوا اس کے بعد عمر خاں اور منگو خاں (علاؤالدین کے ہمشیر زادگان) نے سلطان کی غیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن یہ بھی گرفتار ہو کر اپنی سزا کو پہونچے۔ پھر آخر میں حاجی نامی ایک شخص نے زیادہ سنگین بغاوت

[1] فیروز شاہی صفحہ ۱۷۰ - ۱۷۱

Marfat.com

کی۔ یہ امیر الامراء فخر الدین کوتوال سابق کا غلام تھا۔ اس نے دہلی کو خالی پاکر ہنگامہ مچادیا، جو مشکل سے فرد ہو سکا۔ گجرات کے نومسلموں کی بغاوت اس سے قبل ظاہر ہو چکی تھی۔ الغرض سلطان علاؤالدین متردد ہوا اور بغاوتوں کے اس سلسلہ کو ختم کر دینے کے لئے اس نے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعض نے کہا کہ بدامنی کے چار اسباب ہوا کرتے ہیں:۔

۱۔ خلق کے نیک و بد سے بادشاہ کا لاعلم رہنا۔

۲۔ شراب کا علانیہ استعمال کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ مافی الضمیر کو آزادی کے ساتھ ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح باہم دگر فتنہ وفساد پر لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

۳۔ امراء و اعیان کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص و محبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آجاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

۴۔ زر و مال کی کثرت کہ جب بداصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

محکمۂ جاسوسی کا قیام

علاؤالدین یہ سن کر متنبہ ہوا اور سب سے پہلے اس نے اپنی بے خبری دور کرنے کے لئے تمام ملک میں جاسوس مقرر کئے۔ اور خبر رسانی کا ایک ایسا مکمل انتظام کیا کہ امراء وغیرہ جو باتیں رات کو اپنے گھر کے اندر کرتے تھے وہ صبح

وقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی تھیں۔ اور جب امیر آتا تو بادشاہ ایک پرچہ پر لکھ کر اس کو دکھا دیتا کہ رات کو تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ خلوت وجلوت میں گفتگو کرنا دشوار ہو گیا۔ اور سازش وسرگوشی کا بالکل سدباب ہو گیا۔

سڑکوں کی حفاظت اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے، پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب وجوار میں نہ تھا بلکہ کابل وکشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ وگجرات سے لیکر تلنگانہ ومعبر تک ہر جگہ راستوں کے پرامن ہونے کی یہی کیفیت تھی، اور رہزنی وقزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی، اگر کوئی سیاح یا مسافر گاؤں میں پہونچتا تو مقدم اور اس گاؤں کے لوگ اس کو عزت کے ساتھ ٹھیراتے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتے۔

میخواری کا سدباب دوسرا انتظام شراب خواری کا تھا۔ ہر چند یہ ذرا مشکل کام تھا کیونکہ علاؤالدین خود اسکا عادی تھا۔ لیکن اس نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سب سے پہلے اپنے آبدار خانہ کو درہم وبرہم کیا جس قدر چینی کے برتن تھے ان کو تڑوا دیا اور طلائی ونقرئی ظروف کو گلوا کر دارالضرب میں بھیج دیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے، اس لئے اب اگر کوئی

Marfat.com

شراب بنائے گا یا پیئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔

تعلقات ازدواج کی ممانعت

مورخین کا بیان ہے کہ اس فرمان کے بعد اس قدر شراب کے قرابے لوگوں نے اپنے گھروں سے نکال نکال کر لنڈھائے کہ تمام راستوں میں کیچڑ ہو گئی۔ الغرض جب وہ اس انتظام سے بھی فارغ ہوا تو امرا امرو اعیان کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے بلا حکم سلطان آپس میں نہ کوئی رشتہ قائم کریں نہ ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ اس سے تمام امرائ کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور آپس میں تعلق رشتہ داری پیدا کرنا مسدود ہو گیا۔

مالگذاری کے اصول

اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیہات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت تک انتظام کی صورت یہ تھی کہ مقدم اور چودھری سے وصول مالگذاری کا معاملہ ہوا کرتا تھا اور یہ لوگ رعایا کو سخت تباہ کر رہے تھے چنانچہ سلطان نے پیمائش زمین کے مطابق مالگذاری فی لبسوہ مقرر کی اور حکم دیا کہ نصف پیداوار بلا کسی استثنار و کمی کے سب سے وصول کر لی جائے۔ علاوہ اس کے مقدموں سے جو وصول ہو وہ خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص خواہ مقدم ہو یا معمولی کاشتکار چار بیل دو بھینسیں، دو گائیں اور بارہ بکریوں یا بھیڑوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر چرائی بھی مقرر کی اور آباد گھروں کا کرایہ

بھی معین کیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بد دیانتی کرتا یا ان احکام کی پوری پابندی نہ کرتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی اور اگر سوائے چارہ کے وہ کوئی اور چیز گاؤں سے حاصل کرتا تو پٹواری کے کاغذات سے دیکھ کر اس کی قیمت وصول کرلی جاتی۔ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خائن عمال و محرر ملازمت سے بیزار ہوکر نوکریاں ترک کرنے لگے۔ اور تمام مقدم و چودھری جو معزز و امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بالکل محتاج ہوگئے اور ان کی عورتیں محنت و مزدوری کرنے لگیں۔

مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر یہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ علاؤالدین ایک بار میدان جنگ میں مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔ لیکن وہ ان کے فتنہ کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھا اور نہ مغل اپنے حوصلوں کو ترک کرچکے تھے۔ جب انہیں موقع ملتا ہندوستان کی طرف بڑھتے اور دہلی کو فتح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے۔ چنانچہ جب علاؤالدین ۷۰۲ھ میں قلعہ چتوڑ کے محاصرہ میں مصروف تھا تو ماوراءالنہر میں یہ خبر پہونچی کہ میدان خالی ہے۔ اور مغل فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔ علاؤالدین قلعہ چتوڑ فتح کرنے کے بعد مجبوراً پھر دہلی واپس آیا لیکن چوں کہ شاہی افواج کا ایک بڑا حصہ ورنگل کی طرف فتوحات میں مصروف تھا۔ اس لئے یہ بہت متردد ہوا کہ کیا کرے تاہم اس نے حصاربندی اور خندقوں سے دہلی کو محفوظ کیا۔ اور اپنی افواج منتشر کو فراہم کرنا چاہا اتفاق سے

دو محاصرہ کرنے کے بعد مغلوں میں از خود خوف وہراس پیدا ہو گیا۔
وہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے مستقلاً ایسے ذرائع اختیار
کرنے چاہے جن سے آیندہ کے لئے بھی مغلوں کی طرف سے اطمینان
ہو جائے۔ اس کے لئے اس نے حصار دہلی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ قصر ہزار
ستون اور دوسری عمارات تیار کیں لیکن صرف حصار و عمارات ہی کافی
نہیں۔ اس لئے اس نے یہ بھی چاہا کہ عساکر سلطانی کی مقدار و تعداد
زیادہ کردی جائے۔ اور یہ اس وقت ممکن تھا جب تنخواہیں کم کردی
ورنہ یوں تو موجودہ خزانہ صرف ۶ سال کے مصارف کے لئے کافی
ہے۔ امرار سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لشکریوں کی تنخواہ اسوقت
کم ہو سکتی ہے جب تمام اشیار ارزاں ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے
علاؤ الدین نے چند قواعد مقرر کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ کپڑہ وغیرہ
بہت ارزاں ہو گیا۔ اور باوجود اس کے کہ پھر قحط بھی رونما ہوا لیکن
ارزانی بدستور باقی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قواعد سلطان علاؤ الدین
کی خصوصیاتِ حکومت میں داخل ہیں جس کی طرف اس سے قبل کسی
توجہ نہیں ہوئی، اور نہ اس قدر ارزانی اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی۔
یہ کہ ارزانی عارضی نہ تھی، بلکہ علاؤ الدین کے بقیہ ایام حکمرانی تک
باقی رہی۔ اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا وہ ضوابط و قواعد مجملاً یہ
بیان کئے جاتے ہیں:-

(۱) اہل بازار کو نرخ مقرر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے

Marfat.com

بادشاہ نرخ مقرر کرے گا۔ چنانچہ تمام مملکت میں حسب تفصیل ذیل نرخ مقرر کیا گیا:۔

ایک من گیہوں	۷½	جیتل	ایک سیر شکرِ تری	۱½	جیتل[1]
" " جو	۴	"	" شکر سرخ (گڑھ)	¼	"
" " چاول	۵	"	۲½ سیر گھی، مکھن	۱	"
" " ماش	۵	"	۳ سیر روغن کنجد	۱	"
" " چنا	۵	"	۲½ من نمک	۵	"
" " موٹھ	۳	"			

(۲) ملک قبول الغ خاں (جو انتظامی معاملات میں نہایت فراست رکھتا تھا) منڈی کا داروغہ یا شحنہ مقرر کیا گیا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ مقررہ نرخ میں کوئی تفاوت نہ ہونے دے۔

(۳) دوآب کے تمام خالصہ دیہات کی مالگذاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے اور سلطنت کی طرف سے غلہ کے انبار محفوظ رہیں اگر بازار کا غلہ کم ہو جائے تو شاہی غلہ کو بازار کے نرخ سے فروخت کریں۔

[1] عہد علائی کا من موجودہ وزن کے لحاظ سے ۱۲½ سیر کا تھا۔ ایک سیر موجودہ ۶ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پیسہ یا ایک ادھنے کی قیمت کا اس لئے اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ ارزانی اور سکوں کے لحاظ سے عہد علائی میں ایک من (یعنی موجودہ ۴۰ سیر) گیہوں کی قیمت ۱۲ اَر (¾ روپیہ سکۂ انگریزی) تھی۔

Marfat.com

(۴) سلطنت کے تمام سفری غلہ فروشوں (بنجاروں) کو طلب کر کے ساحل جمن پر آباد کیا جائے اور ان سے معاہدہ لیا جائے کہ باہر سے غلہ منگا کر شہر میں مقررہ نرخ سے فروخت کریں گے۔

(۵) غلہ جمع کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ اگر کوئی شخص غلہ جمع کرتا تو بحق سلطنت قرق کر لیا جاتا اور سخت تنبیہ کی جاتی۔ دوآبہ کے افسران مال سے اقرار نامہ لیا گیا کہ کوئی شخص ان کے علاقے میں غلہ جمع نہ کرے۔

(۶) افسرانِ مال (ریونیو) سے اقرار نامہ لیا گیا کہ وہ کھیتوں ہی پر بنجاروں سے قیمت دلا کر غلہ دیدیں اور سوائے اپنے ضروری خرچ کے غلہ کا ایک دانہ بھی کوئی کاشتکار گھر نہ لیجائے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بنجاروں کو غلہ آسانی سے ملنے لگا اور بازار میں افراط ہو گئی۔

(۷) منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے تین عہدے مقرر کئے ایک شحنۂ منڈی، دوسرے بریدِ منڈی، تیسرے جاسوس منڈی ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بازار کے حال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو اطلاع دیتا۔ اگر ان اطلاعوں میں ذرا بھی تفاوت ہو تو شحنہ سے سخت بازپرس کی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص مقررہ قواعد سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اور تمام بازار کا بازار ایک مشین کی طرح چل رہا تھا۔ اور حیرت یہ ہے کہ امساک باراں کے زمانہ میں کبھی غلہ کے نرخ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قحط کے

Marfat.com

میں شحنہ نے صرف نصف جیتل (ایک پیسہ) فی من نرخ بڑھا دینے کی درخواست کی تو سلطان نے اکیس چوب اس کے ماریں۔

— کوئی شخص ایک وقت میں روزانہ خرچ کے علاوہ نصف من سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ اگر قحط کی وجہ سے مساکین کا ہجوم زیادہ ہوجاتا اور ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتا تو شحنہ کو سخت سزا دی جاتی۔ شہر کا ہر محلہ ایک بنجارے کے سپرد تھا۔ اور اس کا فرض تھا کہ وہ اس محلہ کے لوگوں کو روزانہ غلہ مہیا کرے۔

(۸) اسی طرح کپڑے کا نرخ مقرر کیا گیا۔ اعلیٰ درجہ کا سوتی کپڑا ۲۰ گز فی تنکہ[ا] (نقرہ) اوسط درجہ کا سوتی کپڑا تیس گز فی تنکہ (نقرہ) فروخت کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی مناسبت سے اور تمام قسم کے کپڑوں کی قیمت متعین کی گئی۔ اس کے لئے اس نے ایک مکان سرائے عدل کے نام سے تعمیر کرایا۔ اور حکم دیا کہ یہاں صبح سے لیکر نماز پیشین تک دوکانیں کھلی رہیں۔

(۹) سوداگران شہر و اطراف کے نام دفتر میں درج کئے گئے اور ان سے اقرار نامہ لیا گیا کہ اس قدر کپڑا اور اس قسم کا ہر سال لاکر سرائے عدل

[ا] فرشتہ نے لکھا ہے کہ تنکہ نقرئی ہو یا طلائی ایک تولہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا ہر نقرئی تنکہ کی قیمت تبادلہ پچاس جیتل (تانبہ کا پیسہ) ہوتی تھی جیتل کا وزن البتہ مشتبہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ایک تولہ تانبہ کا ہوتا تھا بعض لوگ دو تولہ بتلاتے ہیں۔

میں مقررہ نرخ پر فروخت کیا کریں گے۔

(۱۰) ملتانیوں (ملتان کے رہنے والے سوداگروں کو) بیس لاکھ تنکہ (نقرہ) خزانہ شاہی سے دیا گیا کہ اطراف ممالک سے کپڑا خرید کر کے لائیں اور نرخ مقررہ سے بازار میں فروخت کریں۔

(۱۱) امراء وغیرہ میں سے جس نفیس اور قیمتی کپڑوں کی ضرورت ہو پہلے رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرے۔ یہ قید اس لئے لگائی تھی کہ سوداگر یہاں سے نرخ سلطانی پر ارزاں کپڑا خرید کر کے باہر گراں قیمت پر فروخت نہ کر سکیں۔

(۱۲) گھوڑوں کی قیمت ۲۰ تنکہ (نقرہ) سے بارہ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ صرف بازار ہی میں نرخ مقررہ کے مطابق گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو۔

(۱۳) لونڈی غلاموں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے ۵ تنکہ نقرہ تک مقرر کی گئی۔

الغرض اس نے گائے، بھینس، بکری اور بازار کی تمام چیزوں یعنی ٹوپی سے موزہ تک، شانہ سے سوزن تک، نیشکر سے سبزی تک، ہریسہ سے شوربہ تک، حلوائے صابونی سے ریوڑی تک، بریانی سے روٹی تک، پان پھول سے ساگ پات تک، الغرض تمام ضروری اشیاء حتیٰ کہ ایک ندیم خاص کے کہنے پر شاہدان بازاری تک کا نرخ مقرر کر دیا۔ چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:۔

Marfat.com

"عہد علائی میں مصری بحساب فی سیر[1] دو جیتل شکر تری فی سیر ایک جیتل شکر سرخ فی سیر نصف جیتل، نمک ۵ سیر فی جیتل فروخت ہوتا تھا۔"

(۱۴) بادشاہ صرف شحنہ وغیرہ کی اطلاع پر کفایت نہ کرتا بلکہ کمسن لڑکوں کو جنہیں کوئی وقوف نہ ہوتا دام دیکر بازار بھیجتا اور پھر ان چیزوں کو وزن کراتا۔ اگر وزن یا قیمت میں خلاف قاعدہ کوئی فرق ہوتا تو سخت سزا دی جاتی اور کمترین سزا یہ تھی کہ ناک کان کاٹ لئے جاتے یا جس قدر کم اس نے دیا ہے اتنا ہی گوشت اس کی ران یا کولہے سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

تحقیق حالات کی کیفیت الغرض علاؤالدین نے مستحکم اور عجیب وغریب انتظام بازار کا کیا کہ اس کی حالت میں پھر کوئی تغیر نہیں ہوا اور کبھی کسی نے قانون مقررہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فوج کی تنخواہ (۱۵) جب علاؤالدین بازار کا سارا انتظام کر چکا اس نے سپاہیوں کی تنخواہیں حسب ذیل مقرر کیں:۔

سپاہی درجہ اول — دوسو چونتیس تنکہ (تقریباً ۲۴ پونڈ طلائی موجودہ انگریزی سکہ کے مطابق) ماہوار۔

سپاہی درجہ دوم — ۱۵۶ تنکہ ماہوار۔

سپاہی درجہ سوم — ۷۸ تنکہ ماہوار۔

---

[1] حسب بیان فرشتہ اس وقت سیر وزن میں ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

Marfat.com

جس کے پاس دو گھوڑے ہوتے اس کو ۷۸ تنکہ اور زیادہ ملتا

(۱۶) عارضِ ممالک (جسے موجودہ اصطلاح میں

عارضِ ممالک کی خدمات

[M]ASTER MASTER

کہہ سکتے ہیں) تمام سپاہ کا معائنہ کرتا اور جو فن تیر اندازی و شمشیر زنی وغیرہ کا ماہر ثابت ہوتا اسے گھوڑے کی قیمت دیدی جاتی اور گھوڑا داغ دیا جاتا۔

جب علاؤ الدین ان تمام انتظامات سے فارغ ہو گیا اور اس فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ صرف سواروں کی تعداد چار لاکھ بہتر ہزار اسی عسکری انتظام کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد جب مغلوں نے عہد علائی میں ہندوستان کا قصد کیا تو ہمیشہ ان کو شکست ہوئی، اور بہت کثیر تعداد میں مقتول و مقید ہوئے۔

علماء کی قدردانی

علاؤ الدین پہلے بالکل ناخواندہ شخص تھا اور بعد اس نے صرف معمولی نوشت و خواند سیکھ لی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہران فن، بزرگان دین، علماء کرام، شعراء عظام اس کے زمانہ میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء شیخ علاؤ الدین صاحب قطب الاولیاء، شیخ رکن الدین بن صدر الدین عارف ملتانی اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔

علاوہ ان حضرات کے شیخ صدر الدین جو بے مثل فیاض تھے

Marfat.com

تاج الدین ولد صدر الدین جو اپنی جود و سخاوت علم و حلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے، سید مغیث الدین و سید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدر الدین مولانا ضیاء الدین بیانوی، حمید الدین ملتانی جو اپنے کمالات ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس و تدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے۔ فنِ قرارت کے جاننے والوں میں مولانا نشاطی، مولانا علاؤ الدین، خواجہ زکی خواہر زادہ شیخ حسن خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اہل وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین جلیل، مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے۔

طبقۂ شعراء میں صدر الدین عالی، فخر الدین، حمید الدین، مولانا عارف، عبد الحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسروؒ جو جامعِ کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں فرد تسلیم کئے جاتے ہیں اسی دربار کے زلہ ربا تھے۔

اطباء میں صدر الدین، جو لینی طبیب علیم الدین، اور مولانا بدر الدین دمشقی خاص لوگ تھے، مولانا بدر الدین کی مسیحائی و حذاقت کا یہ عالم تھا

Marfat.com

کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت وفراست کا پیدا نہیں ہوسکا، ان کی نسبت مشہور ہے کہ اگر چند جانوروں کا قارورہ ایک جگہ ملا دیا جاتا تو یہ بتادیتے کہ فلاں فلاں جانوروں کا بول اس میں شامل ہے

علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین، جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل تھے کثرت سے پائے جاتے تھے، اور ان کا شمار مشکل تھا۔

علاؤالدین کے عہد میں اس قدر مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار اور حصار تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے

فرشتہ لکھتا ہے کہ :-

علاؤالدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ۷۰ ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و تنکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کردیتے تھے، تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں۔

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ (علاؤالدین کے بیٹے اور جانشین) نے دہلی سے دولت آباد تک کا سفر کیا ہے تو اس وقت کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد (دیوگڑھ) تک چالیس دن کا سفر تھا، اور ان دونوں شہروں کے درمیان جو سڑک تھی اس کے دونوں جانب بید وغیرہ کے درخت لگے ہوئے تھے ایک مسافر ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ کسی باغ کی روش پر چل رہا ہے۔

ہر میل پر ڈاک کی چوکی تھی، اور راستہ میں ہر جگہ اس کو تمام ضرورت

چیزیں اس قدر فراوانی سے دستیاب ہوتی تھیں گویا بازار لگا ہوا ہے۔
یہاں سے اوریٹر کبیں ٦ مہینہ کی راہ کی معبر اور تلنگانہ تک بنی ہوئی تھیں۔ ہر منزل پر بادشاہ اور دیگر مسافروں کے قیام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے، مفلس مسافروں کو زادراہ کی مطلق فکر نہیں ہوتی تھی، اور ان کو تمام چیزیں مفت ملتی تھیں۔
سب سے پہلے جو شخص ہاتھی پر عماری رکھ کر سوار ہوا علاؤالدین خلجی تھا۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں:۔

کسے در شاہی وانگہ سواری   جز او ننہاد بر فیلاں عماری

عہد علائی کی خصوصیات

سلطان علاؤالدین اپنے عزم و جبروت، اپنی سطوت و سیاست کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد کی چند خصوصیات کو ضیاء برنی نے ایک جگہ حسب ذیل جمع کیا ہے:۔

١۔ غلہ، کپڑہ اور دیگر اشیاء کی ارزانی۔
٢۔ مسلسل فتوحات اور دولت کا بے شمار انبار۔
٣۔ بڑی فوج کا قیام قلیل خرچ سے۔
٤۔ باغیوں کی سرکوبی اور تمام راجاؤں اور ماتحت فرمانرواؤں کا اطاعت شعار رہنا۔
٥۔ مغلوں کی تباہی۔

۶ - ملک کے تمام راستوں کی حفاظت

۷ - بازاری لوگوں کا ایماندار ہوجانا۔

۸ - مسجدوں، میناروں، قلعوں، تالابوں وغیرہ کا کثرت سے تعمیر کیا جانا

۹ - آخری دس سال کے اندر مسلمانوں کا عام طور سے دیانت و امانت عدل و انصاف پسندی کی طرف مائل ہوجانا۔ یہ ہیں اس کے عہد کے برکات۔

افسانوں کی حقیقت

عہد علائی کے خاص واقعات ہیں، خضر خاں (اس کے بیٹے) اور دیول رانی (راجہ رائے کرن کی بیٹی) کا واقعہ عشق ومحبت ہے۔ لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں اسی طرح خود علاؤالدین کا راجہ چیتوڑ گڈھ کی رانی پدمنی کے حسن وجمال کا شہرہ سن کر اس پر عاشق ہونا۔ اور پدمنی کا آگ میں جل کر جان دینا بھی کہیں ضیاء برنی نے تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک متعصب مزاج مورخ تھا۔ اور اس نے تمام وہ باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درج کی ہیں۔ جن سے علاؤالدین پر کوئی الزام عاید ہوسکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ واقعہ درج نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، رہا خضر خاں اور دیول دیوی کا افسانۂ عشق سو اس کو امیر خسرو نے ضرور ایک مثنوی کی صورت میں درج کیا ہے لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ خضر خاں نے امیر صاحب کو طلب کیا اور چند مسودات دیکر کہا کہ ان میں میرے اور دیول دیوی کے واقعات عشق ومحبت درج ہیں ان کو نظم کردو۔

Marfat.com

چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کردی۔

جب علاؤالدین اصلاحات سے فارغ ہوا تو اس نے توسیع سلطنت کی طرف پھر توجہ کی۔ چونکہ رنتھمبور اور چتوڑ کو وہ اس سے قبل فتح کرچکا تھا۔ اس لئے پھر اس نے دکن کو اپنی تاخت کا جولانگاہ بنانا پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو (جو ایک خوبصورت خواجہ سرا اور بادشاہ کا محبوب غلام تھا) ۷۰۶ھ ۱۳۰۷ء میں دیوگڈھ کی جانب روانہ کیا، جہاں کے راجہ نے خراج دینا بند کردیا تھا اس مہم میں ملک کافور کامیاب ہوا اور علاوہ بہت سے مال غنیمت کے وہاں کے راجہ رام دیو کو معہ اس کے بیٹوں کے دہلی لے آیا۔ بادشاہ نے راجہ کی بہت عزت کی۔ اور ایک لاکھ تنکہ دیکر پھر حکومت دیوگیر اس کے سپرد کردی۔

دوسرے سال ملک کافور تلنگانہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ (اس سے قبل ۷۰۳ھ میں بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکامیاب رہا تھا) اس جنگ میں ورنگل مفتوح ہوا اور راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ اس مہم میں ایک سو ہاتھی سات گھوڑے اور بہت سے جواہرات ہاتھ آئے۔

۷۰۹ھ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور ساحل مالابار گیا اور وہاں کے قدیم دارالحکومت، دورسمندر کو فتح کرکے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا۔ اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۴۰۰ ۹ ۲ ٹن کے برابر ہوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصر سیری میں بادشاہ کے

Marfat.com

سامنے پیش کی گئی۔ تو اس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا
ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصہ کو سلطنت دہلی کا باجگذار
بنا دیا۔ اور یہ زمانہ علاؤالدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیئے البتہ آخر
وقت میں ملک کافور کے اقتدار کی وجہ سے امرا میں برہمی پھیل گئی تھی
اور نظام حکومت میں تزلزل واقع ہو گیا تھا۔ علاؤالدین اس کو محسوس کرتا
تھا لیکن قویٰ مضمحل ہو جانے کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو رہا تھا
حسب روایت فرشتہ سلطان علاؤالدین نے ۶ شوال ۷۱۶ھ (جنوری
۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء) بعارضۂ استسقاء انتقال کیا۔ بدایونی، امیر خسرو
و برنی نے سنہ وفات ۷۱۵ھ تحریر کیا ہے۔ اور یہی درست معلوم
ہوتا ہے۔ اس نے بیس سال اور چند ماہ تک سلطنت کی[1]

لہ تاریخ ہندوستان جلد ۲ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

سلطان شہاب الدین بن علاؤالدین خلجی

جنوری ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء — ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء

سلطان قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤالدین خلجی

۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء — ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء

ناصر الدین خسرو شاہ

۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء

سلطان علاؤالدین نے وقت آخر میں خضر خاں اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا جو قلعہ گوالیار میں قید تھا اسے طلب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ملک کافور کے مصالح کا اقتضا یہ نہ تھا کہ خضر خاں تخت نشین ہو۔ اس لئے وہ ٹالتا رہا۔ حتےٰ کہ علاؤالدین کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے دوسرے دن ایک نوشتہ سلطانی اس مضمون کا پیش کر کے کہ خضر خاں کی ولی عہدی بادشاہ نے منسوخ کر دی تھی۔

اولاد | ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علاؤالدین کے پانچ بیٹے تھے خضر خاں[1]

Marfat.com

شادی[۲] خاں ۔ ابوبکر[۳] خاں ۔ مبارک[۴] خاں ۔ شہاب[۵] الدین ۔ سلطان علاؤالدین مبارک خاں کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھا ۔ اپنے اور بیٹوں کو اس نے طبل وعلم دیگر شاہانہ اعزاز سے سرفراز کر رکھا تھا ۔ لیکن اس کی طرف سے بے خبر تھا ۔ ایک دن علاؤالدین نے اس کو بلا کر کہا کہ میں تہیں بھی یہی عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارے اور بھائیوں کو حاصل ہے اس نے جواب دیا کہ صرف خدا عزت دینے والا ہے ۔ اس جواب سے سلطان علاؤالدین بہت برہم ہو گیا ۔ خضر خاں سب سے بڑا بیٹا تھا اور بادشاہ اس سے خوش بھی تھا ۔ لیکن اس کے ماموں سنجر نے علاؤالدین کی حیات ہی میں خضر خاں کو تخت نشین کرنے کی سازش کی جس کا پتہ ملک کافور کو مل گیا ۔ اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے سنجر کو قتل اور خضر خاں کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا ۔ سلطان علاؤالدین کے مرتے ہی ملک کافور نے ابوبکر خاں اور شادی کو اندھا کرا کے گوالیار بھیجدیا ۔ اور خضر خاں کی آنکھیں نکلوالیں ۔ اور شہاب الدین کو جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف ۶ سال کی تھی تخت نشین کر کے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خاندان علاؤالدین کے تمام افراد کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا ۔ اب صرف ایک مبارک خاں رہ گیا تھا تو اس کو بھی قید کر لیا اور چند سپاہی مبارک خاں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے لیکن جب یہ سپاہی مبارک خاں کے پاس پہونچے تو اس نے مالائے مروارید ان کے سامنے ڈالدیا اور اپنے باپ کے حقوق یاد دلائے اس سے یہ

لوگ متاثر ہو کر واپس آگئے اور اپنے افسران مبشر و بشیر سے سارا حال بیان کیا چنانچہ انہوں نے اس رات ملک کافور کو قتل کر دیا اور اس طرح ۸ محرم ۷۱۶ھ[1] کو مبارک شاہ سلطان قطب الدین لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر اس نے حد درجہ خوش خلق کا ثبوت پیش کیا۔ سترہ ہزار قیدی رہا کئے۔ جلاوطنوں کو وطن واپس آنے کی اجازت دی اور فوج کو ۶ ماہ کی تنخواہ ایک مشت دی گئی۔ امراء و ملوک کی جاگیریں اور منصب بڑھائے گئے۔ تمام سخت محصول منسوخ کر دئے۔ بازار کے جو انتظامات علاؤالدین نے قائم کئے تھے ایک قلم موقوف ہو گئے۔ البتہ علماء و صلحاء کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ انعام و اکرام کی چاروں طرف سے بارش ہونے لگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن اصول کے اوپر علاؤالدین نے سلطنت قائم کی تھی اون کا دفعتہً اٹھا دینا سلطنت کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا چنانچہ رعایا کا طبقہ تباہ ہونے لگا۔ امراء وغیرہ کا اقتدار بڑھ گیا اور رفتہ رفتہ جو نقائص دولت کے بیجا استعمال سے رونما ہونے لگے تھے وہ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے جس طرح علاؤالدین نے ملک کافور کو ادنےٰ درجہ سے وزارت کے عہدہ تک پہونچا دیا۔ قطب الدین مبارک شاہ ناصرالدین خسرو خاں ایک نومسلم سے مالوف ہو گیا تھا۔ اس کا نام حسن تھا اور پہلوانان گجرات سے تھا

---

[1] صاحب طبقات اکبری۔ فرشتہ اور ضیاء برنی نے ۷۱۶ھ تحریر کیا ہے لیکن امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں ۷۱۶ھ لکھتے ہیں۔

Marfat.com

تھا مبارک شاہ نے اس کو خسرو کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا مختار بنا دیا۔

"ناصر الدین خسرو خاں از بندگان علائی بود در عہد طفولیت خسرو خاں و برادر او از نہب مالوہ بر دست لشکر اسلام اسیر گشتہ۔

(مبارک شاہی صفحہ ۸۶)

"خسرو خان در میان مسلمانان ظلم و تعدی کردن گرفتند و عورات اندرون حرم می بردند و خزائن و دفائن کہ از سلطان علاؤ الدین ماندہ بود تمام پریشان و تلف می کردند"

"تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی ۸۳۶ھ نصف موجودہ صفحہ ۸۷

چونکہ حسن پہلے ہندو تھا جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے علانیہ ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آخر کار خسرو خاں نے ۷۲۰ھ میں مبارک شاہ اپنے محسن کو قتل کر دیا۔ اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس وقت تمام مسلمان امراء و ملوک سخت پریشان تھے خسرو خاں علاؤ الدین کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے خاتونان حرم کی ہر ممکن توہین کر رہا تھا (یہاں تک کہ اس نے مرحوم بادشاہ کی ملکہ سے بجبر شادی بھی کر لی) علانیہ مذہب اسلام کی توہین شروع کر رکھی تھی۔ قرآن مجید کی توہین کی، مسجدیں منہدم کر دیں اور تمام بڑے بڑے

عہدے ہندوؤں کو دئے جا رہے تھے۔ اور جو چند مسلمان عامل و صوبہ دار رہ گئے تھے ان کو بھی خسرو خاں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اس وقت غازی ملک دیپال پور کا حاکم ۔ ان حالات کو سُن کر مضطرب و فکرمند ہو رہا تھا۔ بارہا اس نے ارادہ کیا کہ خسرو خاں کا مقابلہ کرے لیکن اس کا بیٹا ملک فخر الدین جونا خاں خسرو خاں کے قبضہ میں تھا اس لئے خاموش رہ جاتا تھا۔ آخر کار جب جونا خاں خفیہ طور سے اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا اور اپنے باپ کے پاس پہونچ گیا تو غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف فوج کشی کی اور ۷۲۰ھ[1] ۱۳۲۰ء میں خسرو خاں قتل کیا گیا۔

جب غازی ملک اس جنگ سے فارغ ہوا اور خسرو خاں قتل ہوا تو اس نے تمام امراء کو بلا کر کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اپنے ولی نعمت کا انتقام لے لیا۔ اب تم لوگ جس کو مناسب سمجھو تخت نشین کر دو۔

چونکہ خاندان خلجی میں اب کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لئے سب نے بالاتفاق غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر تخت سلطنت پر بیٹھا دیا اور غیاث الدین تغلق کا خطاب دیا۔[2] سلطان قطب الدین نے بارہ سال اور چار ماہ تک حکومت کی اور خسرو خاں کچھ دن کم پانچ ماہ تک حکمران رہا۔[3]

[1] فرشتہ نے ۷۲۱ھ تحریر کیا ہے۔ بدایونی ص۲۲۵ طبقات اور ضیاء برنی نے ۷۲۰ھ درج کیا ہے۔

[2] فرشتہ ۱۲۳ — ۱۳۰۔ تاریخ فیروز شاہی ۲۱۱ — ۲۲۹۔ بدایونی ۵۳ — ۵۷۔ برنی رالیٹ ۳ طبقات اکبری ۸۶ — ۹۵۔

[3] نگار ہندوستان نمبر۔

Marfat.com

تغلقیہ خاندان

غیاث الدین تغلق

۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء — ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء

تغلق ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں یہ پشتو لفظ رہیلہ کے مرادف ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ غیاث الدین کا باپ ملک تغلق تھا۔ غیاث الدین ہی ملک غازی کہلاتا تھا۔ اس کی ماں جاٹ کی لڑکی تھی۔ خراسان سے سندھ آیا۔ کسی سوداگر کا ملازم ہوا پھر الغ خاں خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ جب کچھ وسعت ہوئی اور گھوڑا بہم پہونچ گیا تو سواروں میں داخل ہوا۔ اور اپنی بہادری سے سب کے دل پر سکہ جمالیا اور اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے میرا خورد داروغہ اصطبل ہو گیا جو اس عہد میں بہت بڑا عہدہ تھا اور صرف وفادار امیروں کو اس پر ممتاز کیا جاتا تھا۔ اور اس زمانہ میں چونکہ مغلوں کا بڑا زور تھا۔ اس لئے سرحدی علاقے مخصوص وفادار امیروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔

چنانچہ ملک غازی کو بھی دیپال پور کا علاقہ سپرد ہوا

جو آج بھی مونٹ گمری (پنجاب) کے ضلع میں بیاس ندی کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے ۲۸ میل مشرق کی طرف واقع ہے وہ عرصہ تک اسی جگہ رہا اور اس کا بڑا لڑکا محمد جونا جس کے نام پر شہر جونپور یو۔پی میں بسایا گیا ہے۔ پایۂ تخت دہلی میں رہتا تھا۔ قطب الدین کے بعد نو مسلم امیر خسرو خاں گجراتی اپنے آقا کو دھوکہ سے قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تو جیسا اوپر گزرا ملک غازی تغلق نے لڑ کر اس سے سلطنت چھین لی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے یکم شعبان ۷۲۰ھ کو تخت پر بیٹھا۔

سلطان غیاث الدین خاندان تغلق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے تدبر اور اعلیٰ قابلیت و دانشمندی سے حسن انتظام و تلافی مافات میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا۔ بہ حیثیت ایک آزمودہ کار افسر ہونے کے جو شہرت صوبۂ پنجاب (دیپال پور) میں حاصل کی تھی، اور اپنی پامردی سے وہ تاتاری فتنہ کو ہندوستان سے دور کرنے میں کامیاب ہوا تھا[۱] عنان سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اس نے اپنی دیانت و امانت، محنت و جفاکشی، حزم و احتیاط عقل و فراست سے کام لے کر ان تمام خرابیوں کو جو سلاطین خلجی اور خسرو خاں کے عہد حکومت میں پیدا

---

[۱] ابن بطوطہ سے شیخ امام رکن الدین ملتانی نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خود اس مسجد کو دیکھا تھا جو غازی ملک (غیاث الدین) نے ملتان میں تیار کرائی تھی۔ اس کے ایک کتبہ میں درج تھا کہ "میں نے ۲۹ بار تاتاریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ اسی بنا پر مجھے ملک غازی کہا جاتا ہے۔" ابن بطوطہ (البیٹ) ۳۔۶۰۶

Marfat.com

ہوگئی تھی دور کر کے اسلامی مملکت ہند کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا جو ملک اور رعایا کے لئے حد درجہ باعث سکون و فلاح ثابت ہوا۔ اس نے عہد علائی کے تمام معزول و تباہ شدہ امراء کو طلب کر کے ان کے مواجب و انعامات بحال کئے۔

"بقیہ احوال عیال ونسل سلطان علاؤ الدین و سلطان قطب الدین ہر کس ہر جا بود تفقد احوال نمودہ بوظیفہ داد راز خوشدل ساختہ[1]"

خاندان علائی کے بقیۃ السیف افراد کی حد درجہ عزت کی اور خو خلجیہ کا احترام کرنے میں اس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی الغرض ملک کا نظام حکومت جو بہت ابتر ہو گیا تھا اس کو ایک ہفتہ کے اندر اصلی حالت پر لے آیا۔ مستحقین کے حقوق ادا کئے اور ظالموں کی داروگیر شروع کی۔

وہ حد درجہ معتدل مزاج تھا۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک منا ملائے تمام امور میں قائم کیا کرتا تھا، کام کرنے والے لوگوں کی اس نے قد کی۔ اور ناکارہ لوگوں کو اپنے دیار سے خارج کر دیا۔

اس نے خراج کے اصول از سر نو منضبط کئے اور پیداوار کے دسویں یا گیارھویں حصہ سے زیادہ محصول لینے کی سخت ممانعت کر دی اس کی کوشش یہ تھی کہ ہر سال رقبۂ زراعت بڑھتا جائے۔ اور

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۵

Marfat.com

وچودھری کاشتکاران پر جبر نہ کر سکیں جن امراء وملوک کے پاس جاگیریں تھیں ان کی انتظامی حالت کی بھی نگرانی کرتا اور جبر وتعدی پر سخت بازپرس کرتا۔ خسرو خاں نے جن لوگوں کو خزانۂ شاہی سے بیجا انعامات دئے تھے وہ سب وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔

جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر اس کو ملتی، بیٹا پیدا ہوتا۔ یا شہزادوں کی شادی ہوتی تو تمام اکابر و علماء کو طلب کرتا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرتا جو مشائخ وصوفیہ خلوت نشین ہوتے ان کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ چاہتا تھا کہ جو مسرت مجھے حاصل ہو اس میں ساری رعایا شریک ہو۔ چنانچہ وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا رہتا اس کا مقصود سلطنت یہ تھا کہ سارا ملک فراغت و اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ رعایا خوش حال ہو جائے، لوگ گدائی چھوڑ دیں اور حلال کی کمائی حاصل کریں۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے مزدوری و اُجرت میں ۲۵ فی صدی اضافہ کر دیا۔ کاشتکاروں اور ہندوؤں کی حالت میں جو تمدنی انحطاط عارضی اسباب کی وجہ سے ہو گیا تھا دور ہو گیا اور پھر وہ آزادی کے ساتھ اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جس سپاہ کو خسرو خاں نے مواجب سے زیادہ روپیہ تقسیم کر دیا تھا وہ آہستہ آہستہ اس نے وصول کیا اور فوج کے باب میں جو قواعد علاؤالدین خلجی نے مقرر کئے تھے (حلیہ، امتحان وداغ اور تعیین قیمت

Marfat.com

وغیرہ) وہ سب بدستور جاری رکھے۔ البتہ اس کی احتیاط ضرور کی کہ کوئی افسر یا امیر سپاہیوں کو ذلیل نہ سمجھے۔ اور ان کو کوڑے نہ مارے۔

مطالبات کے وصول کرنے میں بھی وہ بہت نرمی سے کام لیتا لاکھوں کے مطالبہ میں اگر ہزاروں بھی وصول ہو جاتے تو غنیمت سمجھتا اور حد درجہ نرمی و آشتی سے کام لے کر معاملات کو طے کرتا وہ نہ معمولی باتوں پر کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی عمل میں لاتا۔ میانہ روی اس کی خصوصیت تھی اور عدل و انصاف اس کی حکومت کا نصب العین تھا۔

انہیں باتوں کے ساتھ اس نے مغلوں کی طرف سے بھی ہندوستان کو مطمئن کر دیا۔ اور ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ اس کے عہد میں ان کو حدود ہند کی طرف آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

اس نے نہریں کثرت سے کھدوائیں، باغات تعمیر کرائے ویرانوں کو آباد کیا، بنجر زمین کو تردد سے قابل کاشت کیا اور متعدد عمارات قائم کرا دیں حصار تغلق آباد اس بادشاہ کی یادگار ہے۔

"نیکذات پسندیدہ اعتقاد بود یا دامر و نواہی تقید تمام درشت بیشتر اوقات او صرف عبادت سری و بقیام شب و مواظبت نفل اشتغال نمودے و گرد مسکرات نگشتی و در منع شراب مبالغہ وخودی[1]"

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۷۔

غیاث الدین صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند تھا وہ ہمیشہ با جماعت نماز ادا کرتا تھا اور تراویح کے ساتھ روزہ رکھتا تھا وہ اکثر باوضو رہتا اور شراب نہ خود پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا۔ کبرو غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ مکرو فریب سے وہ بالکل ناآشنا تھا اور سادگی اس کی فطری خصوصیت تھی۔

فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد کامیاب ثابت ہوا، اور بنگال و دکن کی طرف عساکرِ سلطانی نے کافی کامیابیاں حاصل کیں۔ ۷۲۰ھ میں جب تلنگانہ اور ورنگل کے راجہ نے خراج دینے میں تامل کیا، تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے جونا خاں کو (جسے الغ خاں کا خطاب عطا ہو گیا تھا) اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ہر چند ایک بار بعض مفسدین کے اغوا سے لشکر میں برہمی پیدا ہو گئی، لیکن دوسری بار کامیابی حاصل ہوئی، ورنگل فتح ہوا اور اس کا نام سلطان محمد رکھا گیا۔ اسی طرح جب ۷۲۴ھ میں لکھنوتی (بنگال) اور سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی طرف سے جبر و ظلم کی شکایت موصول ہوئی تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے کو ورنگل سے طلب کر کے دارالسلطنت کا انتظام سپرد کیا۔ اور خود لشکر عظیم لے کر لکھنوتی کی طرف کوچ کیا۔ غیاث الدین کی سطوت و جبروت سے اس وقت سارا ہندوستان آگاہ تھا، اس لئے ناصر الدین فرمانروائے لکھنوتی تحائف وغیرہ لے کر خود حاضر ہوا اور بہادر شاہ کو جو سنار گاؤں کا فرمانروا تھا اور بہت متکبر و مغرور ہو گیا تھا، گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان غیاث الدین نے ازراہِ لطف و

Marfat.com

عنایت ناصر الدین کو "چتر و دور باش" عنایت کر کے نہ صرف لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا بلکہ سنار گاؤں کو بھی اس کے سپرد کر دیا اور قلعۂ ترہت فتح کرتا ہوا دارالحکومت کی طرف واپس آیا اور ایک اتفاقی حادثہ سے مر گیا جونا خاں نے تین دن میں ایک قصر تعمیر کرایا اس میں بادشاہ قیام کیا بجلی کی کڑک سے وہ گر گیا اس پر جھوٹے قصے مشہور ہوئے قابل قبول نہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ وہ بہترین فرمانروا تھا اگر وہ چند دن اور حکومت کرتا تو جو اسلوب حکمرانی اس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ مستحکم ہوتا یہ صحیح ہے کہ اس کے جانشین محمد تغلق کو ابتدا میں کثرت سے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور سلطنت بہت زیادہ وسیع ہو گئی لیکن چونکہ اس کے عہد میں بغاوتیں شروع ہو کر طوائف الملوکی کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی اس لئے سلاطین دہلی میں یہ امتیاز صرف غیاث الدین ہی کو حاصل ہے کہ بحیثیت فرمانروائے ہندوستان ہونے کے سب سے زیادہ وسیع مملکت اس کی زیر نگیں تھی اور آخر تک وہ اس پر قابض بھی رہا۔

غیاث الدین کا زمانہ حکومت صرف چار سال اور چند ماہ رہا ۷۲۵ھ میں اس نے انتقال کیا اور الغ خاں کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

Marfat.com

سلطان محمد بن تغلق شاہ

(۷۲۵ھ / ۲۶-۱۳۲۵ء — ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء)

غیاث الدین تغلق کی وفات پر شاہزادہ جونا جسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "سلطان المجاہد محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کرکے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

"سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بادشاہ کریم وعادل بود ودر طبیعت او ہمہ فراہی وعمارت ودانائی ودانائی وہشیاری وعصمت وپاکی وپاکیزگی مجبول ومارکور بود دائماً خمس اوقات فرائض بجماعت گذاردی۔" (مبارک شاہی صفحہ ۹۲)

علمی شغف محمد تغلق شیریں بیان اور فصیح مقرر تھا عربی وفارسی میں فی البدیہہ ایسے مراسلات تحریر کردیتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن متحیر ہو جاتے تھے اس کی ذہانت وفراست کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی اس کے تمام محاسن ومصائب سے اس طرح آگاہ ہو جاتا جیسے کہ برسوں کے تجربہ کا نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت تھی کہ مشکل سے اس کے سامنے مورخ تک کو گفتگو کی جرأت ہوتی۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ جو ایک بار دیکھ یا سن لیتا پھر وہ نقش کالحجر ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی ومنطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ

Marfat.com

بات کی بات میں حل کر دیتا۔

"بعلوم حکمت و معقولات رغبت نبودی و سعد منطقی و عبید شاعر مولانا علم الدین کہ از علمائے فلسفہ بودند در صحبت او بودند"

بدر چاچ ضیاء برنی مولانا ناصر الدین ملک قاضی فخر رکن عالم نصیر الدین چراغ دہلوی دربار کے روشن ستارے تھے۔ فن شاعری میں بھی اس کی جامعیت مشہور ہے، اسے نہ صرف قدماء کے کلام پر عبور حاصل تھا بلکہ خود بھی نہایت پاکیزہ شعر کہتا۔ فن طب کا ایسا مجتہدانہ ذوق رکھتا تھا کہ خود مریضوں کا علاج کرتا۔ فن کتابت میں بھی اسے ملکہ حاصل تھا۔

اسلام سے دلی لگاؤ اپنے مذہب کا حد درجہ احترام کرتا فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات بھی کبھی اس سے ترک نہ ہونے تھے، شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ دیگر مشاغل لہو ولعب جو امراء وسلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کبھی اختیار نہیں کئے۔ بخشش و کرم کی یہ کیفیت تھی[1] کہ اگر کسی درویش کو خزانہ بھی اٹھا کر دیدیتا تو یہی سمجھتا کہ میں نے کچھ نہیں دیا، ممکن نہیں تھا کہ کسی بیوہ یا غریب وضعیف کی فریاد اس تک پہونچ جائے۔ اور وہ اسے مالا مال نہ کردے، عراق، و خراسان ماوراء النہر و ترکستان، روم و عربستان کے علماء، فضلاء، ماہرین فنون اس کے دربار میں کھنچے ہوئے چلے آرہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۹۹ ایضاً صفحہ ۱۰۰ و فرشتہ جلد اول حالات محمد تغلق۔

Marfat.com

زر و جواہر کی بارش ان پر کر رہا تھا۔

داد و دہش تاتار خاں والی سنارگاؤں کو جب اس نے بہرام خاں کا خطاب دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سو ہاتھی ہزار گھوڑے، اور ایک کروڑ تنکہ سُرخ (اشرفی) بھی مرحمت فرمائے۔

ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ تنکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ تنکہ ایک دن میں اٹھا کر دیدئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں مرحمت کئے۔

جرأت و تدبر جرأت و بہادری، علوئے حوصلہ، پختگی عزم، رسوخ تدابیر کی صفات کا بادشاہ تھا، یہی وجہ کامیابی کی تھی۔

صاحب مسالک الابصار نے سراج الدین ابوالفتح عمر و (جو اودھ کا رہنے والا اور محمد تغلق کے دربار سے عرصہ تک متعلق رہا تھا) اور شیخ مبارک کے بیان سے اس عہد کے مفصل حالات لکھے ہیں کہ محمد تغلق کس شوکت و جبروت کا بادشاہ تھا اس کے دربار کا کیا آئین تھا اور اس کے زمانہ میں دہلی اور دیوگر (دولت آباد) کی رونق کا کیا عالم تھا، دولت آباد کا نام اس نے قبتہ الاسلام رکھا تھا اور کثرت سے عمارتیں بنوا کر مخصوص جماعتوں کے قیام کے لئے شہر کو وقف کر دیا تھا علماء، فقراء، مشائخ، امراء، ملوک، خواتین، فوج، وزراء، تجار، پیشہ ور

Marfat.com

لوگ، انگریز، نجار، جلاد وغیرہ کے لئے الگ الگ محلے مقرر کئے اور وہاں ان کے لئے مسجدیں، بازار، حمام، بھٹیاں اور ضرورت کے تمام عمارتیں قائم کرادیں۔ ہر محلہ گویا ایک مستقل قصبہ تھا۔

دہلی کا یہ حال تھا کہ یہاں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے۔ اور ستر دارالشفاء تھے جن میں غرباء کا علاج ہوتا تھا ۲۰۰۰ مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے[1]

افسران حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار، اور جنرل کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نو لاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس، اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سو سواروں کے دستہ کا افسر تھا۔ اور سپہ سالار اس سے کم درجہ کا۔ سپہ سالار بادشاہ کی حضوری میں نہیں جاسکتا تھا۔ ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں۔ جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی، ہر خان کو دو لاکھ تنکہ (ہر تنکہ آٹھ درم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار تنکہ کے درمیان ہر امیر کو تیس اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں اور حملوں کو

[1] صبح الاعشیٰ۔

کی تنخواہ علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانہ شاہی سے نقد ملتی تھی۔

غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی، اور چار جوڑے کپڑے ہر سال مرحمت ہوتے اس کے علاوہ ماہوار دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت معہ ضروری ساماں گھی اور مسالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔

کارخانہ جات

سلطان کا ایک ذاتی کارخانہ کپڑا بننے کا تھا جس میں چار سو آدمی ہر قسم کا ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے۔ اس کارخانہ میں جو کپڑے تیار ہوتے۔ ان سے خلعت وغیرہ بھی تیار کئے جاتے۔ سلطان ہر سال موسم بہار میں ایک لاکھ اور موسم خزاں میں ایک لاکھ خلعت تقسیم کرتا۔ موسم بہار کی خلعتیں اسکندریہ کے ریشمی کپڑوں کی ہوتیں اور موسم خزاں کے خلعت دہلی یا چین و عراق کے کپڑے کی تیار کی جاتیں۔ خلعتیں، خانقاہوں میں مشائخ و علما وغیرہ کو بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔

صرف سلطان کے ذاتی کارخانے زردوزی اور کارچوب کے ۵۰۰ تھے جن میں خواتین حرم و دیگر معزز خواتین کے لئے ہر وقت کام ہوتا رہتا تھا۔

سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ ساز و یراق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

Marfat.com

نائب وارکان سلطنت سلطان کا ایک نائب تھا جو خوانین سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کی جاگیر کا رقبہ صوبۂ عراق سے کم نہ تھا۔ اسی طرح ایک وزیر بھی تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں چار اس کے سکرٹری ہوتے تھے جن کی جاگیر بیس ہزار اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان ہوتی تھی۔ علاوہ ان کے چار دبیر (منشی) بھی ہوتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ محرر۔ بعض محرروں کی جاگیر بھی تھی اور نقد تنخواہ بھی۔

ارکانِ عدالت عالیہ قاضی القضاۃ کا بھی عہدہ ہوتا تھا جسے صدر جہاں اور اسلام بھی کہتے تھے اس کی جاگیر میں دس قصبات ہوتے تھے جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی تھا اور اس کی جاگیر بھی اسی قدر ہوتی تھی۔ صدر جہاں کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا تھا۔ اور شیخ الاسلام صرف قاضی تھا جو شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کیا کرتا تھا۔ ایک عہدہ محتسب (کوتوال) کا بھی تھا اس کی تنخواہ ۸۰۰ تنکہ تھی۔ سلطان کے دربار میں ۱۲۰۰ طبیب تھے اور دس ہزار شکاری جو گھوڑوں پر سوار ہو کر ہاتھوں پر باز اور شاہین بٹھائے ہوئے نکلتے تھے۔ ۳۰۰ ہانکہ کرنے والے (سواق) بھی تھے اور علاوہ ان کے تین ہزار ایسے لوگ بھی تھے جو اس شکار کی تمام اور ضروریات کو مہیا کرتے تھے[۱]

---

[۱] نگار تاریخ ہند نمبر از علامہ نیاز فتح پوری و معارف نمبر جلد ۔

دربار سے متعلق ندیم و مصاحب مغنی و مغنیات ۱۲۰۰ ان میں ایک ہزار غلام فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ سلطان کے دسترخوان پر ۵۰۰ امراء کھانے میں شریک ہوتے۔ ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے جن میں سے بعض عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شاعری کرتے ان مغنیوں اور شعراء میں بعض کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض نقد تنخواہیں بیس ہزار سے ۴۰ ہزار تنکہ تک پاتے تھے انعام و اکرام اس کے علاوہ تھا۔

معمولات سلطان روزانہ صبح و شام دربار کرتا تھا۔ اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں بیس ہزار خواتین و سلوک امراء و اراکین شامل ہوتے تھے خاص بادشاہ کے دسترخوان پر بڑے بڑے علماء (جن کی تعداد ۲۰۰ تھی) بیٹھتے تھے اور بادشاہ کھانے کے دوران میں ان سے علمی مباحث پر گفتگو کیا کرتا تھا۔

شیخ ابوبکر بن خلال کا بیان ہے کہ شاہی مطبخ کے لئے روزانہ ۲۵۰۰ بیل یا گائے اور ۲۰۰ بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ چڑیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

فوج اور رعایا کا انتظام نائب السلطان کے سپرد تھا علماء، و فقہاء ہندی ہو یا اجنبی سب کا تعلق صدر جہاں سے تھا۔ اسی طرح مشائخ و فقراء کا معاملہ شیخ الاسلام کی وساطت سے طے ہوتا تھا بیماریکن و سفراء، شعراء و دیگر اہل کمال و بیروں (سکریٹریوں) سے متعلق تھے۔

جب بادشاہ شکار کو جاتا تو ایک لاکھ سوار اور ۲۰۰ ہاتھی اس کے

جلو میں ہوتے۔ لکڑی کے سفری مکان دو دو منزل کے ساتھ ہوتے جنہیں دو سو اونٹ کھینچتے۔ خیمے اور قناتیں وغیرہ بھی کثرت سے ساتھ ہوتیں۔

جب بادشاہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام پر کسی غرض سے سفر کرتا تو تیس ہزار سوار ۲۰۰ ہاتھی اور ایک ہزار کوتل گھوڑے جواہر کار و یراق سے آراستہ ہمراہ ہوتے۔

اخلاقی زندگی سلطان بہت منکسر مزاج تھا۔ ابوالصفا عمر بن اسحاق کا بیان ہے کہ خود اس نے بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کلام مجید کا حافظ تھا، اور شرع حنفی کی تمام کتابوں پر اس کو پورا عبور تھا۔ وہ علمائے کبار سے برابر مسائل علمیہ میں مباحثہ کرتا۔ شعر و شاعری میں حد درجہ پاکیزہ مذاق رکھتا اور فن کتابت کا زبردست ماہر تھا۔[1]

شراب کا رواج کہیں نہ تھا۔ بادشاہ کو اس سے سخت نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھے۔ پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔

بریلا خبر رسانی کا انتظام بھی نہایت مکمل تھا۔ علاوہ جاسوسوں ڈاک کی آمد و روانگی کے لئے ہرکارے بھی مقرر تھے۔ ہر محکمہ شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے۔ اور خبریں اپنے افسران کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہونچاتے تھے دور دراز مقامات کے حالات ڈاک کے ذریعہ

---

[1] صبح الاعشی جلد ۵ صفحہ ۶۹ از قلقشندی فرشتہ جلد ۱ حالات محمد تغلق

Marfat.com

سے پہونچتے تھے۔

ابن بطوطہ نے برید کا طریقہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ڈاک کے انتظامی حالات بیان کئے ہیں وہ سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اس وقت ڈاک دو قسم کی تھی ایک بریدالخیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری بریدالرجال (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہرکارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہونچتی ہے وہ فوراً اپنی کمر کستا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگھرو دار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا جاتا ہے، دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ آگے لیجاتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ سے خراساں کے میوے، طباقوں کے اندر سربمہر روزانہ بادشاہ کے پاس پہونچتے تھے۔ اور گنگا کا پانی بھی چالیس دن کے راستہ سے شاہی استعمال کے لئے اسی ذریعہ سے روزانہ پہونچتا تھا۔[1]

جب کوئی اجنبی ہندوستان آتا تو انہیں ہرکاروں کے ذریعہ سے بادشاہ کو فوراً معلوم ہوجاتا کہ فلاں شخص اس شکل و حلیہ اس صورت و لباس کا فلاں مقام پر آیا ہے۔ اور اس کے متعلق مناسب احکام صادر کئے جاتے۔ خاص خاص قیدی بھی ڈاک ہی کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہونچائے جاتے تھے۔

سکے اور اوزان ایک درہم ہشت کانی، چار درہم سلطانی کے برابر سمجھا جاتا تھا جنہیں دو کانی بھی کہتے تھے۔ ایک سکہ

[1] عجائب الاسفار

Marfat.com

نصف درہم سلطانی کا بھی تھا جس کو یکانی کہتے تھے اور اس کی قیمت ایک جیتل تھی۔ ایک درہم کا نام دوازدہ کانی بھی تھا جو ڈیڑھ ہشت کانی کے برابر تھا۔ ایک سکہ شانزدہ کانی بھی تھا جس کی قیمت دو درہم کے برابر تھی۔ کل چھ نقرئی سکے اس وقت رائج تھے شانزدکانی، دوازدہ کانی، ہشتکانی، ششکانی، سلطانی، اور یکانی۔ درہم سلطانی ۸ فلوس (پیسوں) کے برابر تھا اور جیتل چار فلوس کے برابر۔ درہم ہشتکانی کے ۳۲ فلوس ملتے تھے۔ سیر، ستر مثقال کا تھا۔ اور ایک من چالیس کا ہوتا تھا۔

غلہ ایک من گیہوں ڈیڑھ ہشتکانی میں ملتا تھا، ایک من جو ایک درہم میں چاول ایک درہم میں $\frac{1}{2}$۳ من مٹر اور چنا ایک درہم ہشتکانی میں دو من ملتا تھا، گوشت بکری کا ایک درہم سلطانی میں ۶ سیر ملتا تھا، بڑی دو درہم ہشتکانی میں ملتی تھی، اور ایک ہشتکانی کی چار مرغیاں فروخت ہوتی تھیں، شکر ایک ایک ہشتکانی میں ۵ سیر ملتی تھی، اور نہایت نفیس اور فربہ بکرا ایک تنکہ میں۔ اسی طرح ایک عمدہ بیل دو تنکہ میں فروخت ہوتا تھا۔

ابن بطوطہ نے جو حالات دربار وغیرہ کے لکھے ہیں وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں اس لئے مختصر الفاظ میں ان کا اظہار یہاں مناسب معلوم ہے۔ لکھتا ہے کہ:-

"سلطان نے جو قصر دہلی میں تعمیر کرایا ہے اس کا نام دارالسرا ہے اور اس میں متعدد دروازے ہیں پہلے دروازہ پر محافظ فوج کا ایک دستہ

Marfat.com

ہر وقت متعین رہتا ہے۔ اور نقارے، نفیریاں اور قرنا وغیرہ بھی موجود رہتے ہیں جو امراء کبار کی آمد پر بجائے جاتے ہیں، یہی حال دوسرے اور تیسرے دروازہ کا ہے۔ آخری دروازہ کے بعد قصرِ ہزار ستون[1] ملتا ہے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے، نقیبوں کے سر پر زریں دستار، کمر میں ٹپکا، ہاتھ میں طلائی یا نقرئی دستہ کا کوڑا رکھنا ضروری ہے، نقیبِ اعظم کے ہاتھ میں سونے کی جریب ہوتی ہے اور سر پر زریں کلاہ جس میں جواہر جگمگاتے رہتے ہیں۔

دربار

دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک چبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ جب بادشاہ برآمد ہو کر اپنی نشست پر جاتا ہے تو تمام نقیب اور حاجب باواز بلند بسم اللہ کہتے ہیں اور ملک کبیر چنور لے کر کھڑا ہو جاتا ہے سلطان کے دائیں اور بائیں جانب سو سو مسلح سپاہی کھڑے ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور شانوں پر کمانیں ہوتی ہیں۔ تمام امراء درجہ بدرجہ بٹھلائے جاتے ہیں، یہاں ساٹھ گھوڑے کوتل بھی جواہر کار ساز و براق کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھوڑوں کے بعد پچاس ہاتھی کھڑے ہوتے ہیں ان کی جھولیں حریر کی ہوتی ہیں جن پر زردوزی کا کام ہوتا ہے۔ اور ان کے دانتوں پر لوہے کا خول چڑھا رہتا ہے، ان ہاتھیوں پر ہودہ

---

[1] قصر ہزار ستون کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے اس قصر کی چھت بھی لکڑی کی تھی۔

Marfat.com

ہوتا اور ہر ہودہ پر چار علم بھی ہوتے ہیں۔

جلوس عید عید کی صبح کو ہاتھی آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان پر جواہر کار زردوزی کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں سولہ ہاتھی بادشاہ کی سواری کے لئے مخصوص ہیں جن پر مرصع چھتر ہوتے ہیں، چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ بادشاہ جس ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اس کی مستک پر ایک روشن ستارہ جواہرات کا لگا دیا جاتا اس ہاتھی کے آگے غلاموں کی قطار ہوتی ہے جن کے سروں پر سونے کی کلغیاں ہوتی ہیں۔ اور کمر میں جواہر کار پٹکے۔ ان کے آگے ۲۰۰ نقیب ہوتے ہیں جو سر سے پاؤں تک زر و جواہر سے لدے رہتے ہیں۔ انکے آگے امراء ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور پھر فوج اور ماہی مراتب عیدگاہ کے دروازہ پر پہونچ کر ٹھیر جاتا ہے۔ اور جب تمام علماء و امراء اندر چلے جاتے ہیں تو پھر خود ہاتھی سے اتر کر اندر جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کی قربانی کرتا ہے۔

عید کے دربار میں حد درجہ تزک و احتشام سے کام لیا جاتا، جس کا بیان ابن بطوطہ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے، لیکن ہم اس کا ذکر یہاں نہیں کرتے بیان ماسبق سے اس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب بادشاہ کسی سفر سے واپس آتا تو ہاتھی آراستہ کیے جاتے اور سولہ [16] ہاتھیوں پر جواہر کار ہودے رکھے جاتے، ہر ایک کی مستک پر

Marfat.com

ایک سنارہ لگایا جاتا جس میں موتی و الماس ٹنکے ہوتے، علاوہ انکے کئی کئی منزل کے چوبی قبے بنائے جاتے اور ان پر ریشمی کپڑا لپیٹ دیا جاتا، ان قبوں کی ہر منزل میں خوبصورت کنیزیں پُر تکلف لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے نغمہ و رقص میں مصروف نظر آئیں۔ راستہ میں تمام ریشمی فرش ہوتا اور اس پر سے سلطان کی سواری گزرتی، شہر کے دروازہ سے لیکر قصر کے دروازہ تک راستے آراستہ کئے جاتے، اور ان پر بھی ریشمی فرش کیا جاتا، بادشاہ کے آگے ہزار غلام ہوتے اور پیچھے فوج کے دستے، بادشاہ جس وقت شہر کے اندر داخل ہوتا تو دینار و درم کی بارش ہونے لگتی تھی۔ غربا انہیں لوٹتے تھے اور سلطان اس حال میں قصر کے اندر داخل ہو جاتا۔

طعام طریق طعام یہ تھا کہ جب مطبخ سے کھانا چلتا تو نقیب باآواز بلند بسم اللہ کہتے ہوئے آگے ہوتے جب کھانا بادشاہ کے قریب پہونچ جاتا تو سوائے بادشاہ کے سب کھڑے ہو جاتے اور کھانا فرش پر چنا جاتا۔ اس کے بعد نقیب اعظم بادشاہ کی مدح و تعریف کرتا اور تمام نقیب بادشاہ کو مجرا کر کے ہٹ جاتے پھر بادشاہ کے سامنے تمام حاضرین کی فہرست پڑھی جاتی، اور اس کے بعد کھانا کھلایا جاتا، صدر دسترخوان پر فقہاء و علماء، یا قضاۃ و مشائخ ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ کے اقارب و امراء کبار اور پھر تمام آدمی اپنی اپنی معین جگہ پر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد شراب دار سونے چاندی کے برتن لئے ہوئے

Marfat.com

آتے جن میں مصری کا شربت ہوتا، پہلے یہ پی لیا جاتا، اس کے بعد کھانا شروع کیا جاتا، فراغتِ طعام کے بعد جو اور مویز کا افشردہ پینے کو دیا جاتا، اور پھر ریشمی تاگہ سے بندھی ہوئی پان کی گلوریاں تقسیم ہوتیں۔

عدل سلطان عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا حتیٰ کہ وہ اپنے وجود کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا تھا، ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا چنانچہ یہ گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا۔ اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا[۱]

محمد تغلق اپنی صفات کے لحاظ سے ایک سب سے بے مثل حکمراں تھا، عزم و استقلال، سطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و اتقاء، شجاعت و بسالت اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں، وہ خود تمام امور کا انتظام کرتا، قوانین نافذ کرتا، اور خود اپنے کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا، خود میدان میں فوج کے ساتھ جاتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے وہ کامیاب بادشاہ ثابت نہ ہوا۔

فتوحات تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور و دراز علاقوں پر چھا گیا اور سلسلہ فتوحات شروع ہوا تو

---

[۱] ابن بطوطہ (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاءاللہ) ۱۴۷-۱۵۶

Marfat.com

گجرات، مالوہ، تلنگانہ، جھجر، اور سمندر، لکھنوتی، (بنگال) ست گاؤں (چاٹگام) کرناٹک، ورنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آگئے۔

بغاوت
اس کی وہی رعایا جس پر وہ اپنی دولت بیدریغ صرف کیا کرتا تھا، اس سے متنفر ہوگئی، تمام دور دراز کے صوبے سوائے گجرات کے خود مختار ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب ۲۷ سال کے بعد وہ ساحلِ سندھ پر دم توڑ رہا تھا تو اس کی ساری سلطنت میں شورش برپا تھی اور ہنگامہ و بغاوت سے سارا انتظام حکومت متزلزل ہو رہا تھا۔

اسباب ناکامی
جس وقت غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوا تو خزانہ شاہی معمور تھا، اور سلطنت کی حالت نہایت اچھی تھی، لیکن اس میں کلام نہیں کہ محمد تغلق کے عزائم اور جذبات بذل و سخا کو دیکھتے ہوئے خزانہ اور حکومت کی تمام موجودات بہت کم تھیں۔ محمد تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی، جو نصب العین مقرر کیا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا اس کے قبضہ میں چلی آئے اور لوگوں کو اتنی دولت تقسیم کردے کہ کوئی شخص محتاج و غریب نہ رہے چنانچہ اس نے بیدریغ دولت لٹانی شروع کردی اور تسخیر ایران، و چین کے لئے کثیر افواج فراہم کر کے اور بھی خزانہ کو خالی کردیا چونکہ روپیہ برابر صرف ہو رہا تھا اور آمدنی کم تھی۔ اس لئے محمد تغلق نے اس کے لئے دو تدبیریں اختیار کیں ایک یہ کہ دوآبہ کے خراج میں ۵ وہ فیصدی اور اضافہ کردیا خراج سے رعایا سخت بددل ہوگئی اور کاشت کاروں نے کاشت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے نہایت

Marfat.com

سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم دیا۔ عمال نے تشدد سے کام لے کر
خراج وصول کرنا شروع کر دیا اور رعایا بھاگ نکلی، گاؤں ویران ہو
زراعت بالکل مسدود ہو گئی۔ سارا ملک تباہ ہو گیا، اسی وقت نہایت
سخت قحط پڑ گیا جس نے ان تباہیوں میں اور اضافہ کر دیا، ہر چند
محمد تغلق نے انسداد گرانی کے لئے پوری کوشش کی اور شاہی ذخیرہ
سے لوگوں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ ان تدابیر سے مصیبت دور نہیں ہو سکی
چنانچہ خراج کی تدبیر سخت ناکام ثابت ہوئی پھر سلطان نے اس امر
کوشش کی کہ ویران گاؤں آباد ہو جائیں۔ کاشت کی حالت بہتر
ہو جائے اور اس کے لئے اس نے خزانۂ شاہی سے ستر لاکھ تنکہ
نقاوی کے رعایا کو تقسیم کیا، لیکن کارکنوں نے بہت کچھ اس میں سے
خود غصب کر لیا، تھوڑا بہت جو رعایا کو ملا بھی اس میں سے ہزارہا
بھی خزانہ میں نہ آسکا، اب چونکہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور روپیہ
کی ضرورت شدید تھی، اس لئے سلطان نے خیال کیا کہ سکے کی قیمت
بڑھا دینی چاہئے، اور اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر اس نے تانبہ کا سکہ
بجائے طلائی سکہ کے جاری کیا۔ لیکن اس تدبیر نے اور زیادہ فتنہ
بپا ہو گیا، چونکہ دارالضرب میں سکہ ڈھالنے کا کوئی ایسا مخصوص طریقہ
نہ تھا کہ عام طور سے لوگ اس کی نقل نہ کر سکیں اس لئے تمام ملک میں جگہ
خفیہ ٹکسالیں قائم ہو گئیں اور لوگوں نے کروڑوں سکے تانبہ کے بنا کر
میں سونے چاندی کے ہم وزن سکوں سے بدلنا شروع کئے، اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ تمام تاجر زمیندار، گاؤں کے مکھیا اور ہندو راجہ دولتمند ہو گئے اور خزانہ شاہی خالی ہونے لگا۔ آخر کار سلطان نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا ہو اور مجبوراً اس سکہ کے رواج کو بھی مسدود کرنا پڑا۔ اس سے انکار نہیں۔ سلطان خود رائے تھا اور طبیعت میں سختی تھی۔ بلا مشورہ کے جو کام کئے ان کا ہی یہ نتیجہ تھا جو رونما ہوا۔

جب سلطان کو اپنی ان تدابیر میں ناکامیابی ہوئی تو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح وہ سخت غضبناک ہو گیا اور بات بات میں قتل کرا دینا اس کے دربار کا معمولی منظر ہو گیا چنانچہ ابن بطوطہ نے اس کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شاہی قصر کے کسی دروازہ پر بارش انعام ہوتی ہوگی تو دوسرے دروازہ پر تم کسی لاش کو بھی ضرور پھڑکتے ہوئے دیکھو گے۔

پھر چونکہ محمد تغلق کی بے برہمی، ہر ناکامی کے ساتھ روز انہ بڑھتی جا رہی تھی اور تمام رعایا اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف سے بدلی عام ہو گئی اور اس کے تمام امراء و ارا کین میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیا دارالحکومت دہلی سے پایہ تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا بجائے خود ایک عمدہ تجویز تھی، کیونکہ دیوگیر درمیان میں واقع تھا، اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا لیکن اس کا یہ حکم دینا کہ تین دن کے اندر دہلی کی تمام آبادی مع اپنے اسباب کے دیوگیر منتقل ہو جائے، اور ایک متنفس بھی یہاں

Marfat.com

باقی نہ رہے، یہ جابرانہ حکم تھا اور اس میں شک نہیں کہ جہاں اور اسباب امرا و اراکین کی بددلی کے تھے انہیں میں سے یہ بھی ایک قوی سبب تھا۔

یہاں ایک امر اور قابل غور ہے کہ جن صوبوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ان میں سے اکثر وہی تھے جو اس کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ یہ جو انہوں نے بغاوت کرکے خودسری اختیار کی تو اس کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ غلام خاندان کے زمانہ میں صوبہ کے گورنر جاگیردار ہوتے تھے اور چونکہ وہ خود بھی اپنے بادشاہوں کی طرح ترک نژاد تھے۔ اس لئے سلطنت کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جب ان ترک فرمانرواؤں کے بعد خلجیوں کا دور شروع ہوا تو ان سے نظام میں کچھ تغیر پیدا ہوا لیکن نہ اس قدر، کیونکہ خلجی سلطنت کے زمانہ میں صوبوں کے گورنر پھر بھی مرکزی حکومت سے قریب کا تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب عہد تغلق شروع ہوا تو یہ تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اور صوبوں کی حکومت اجنبی سرداروں (ایرانیوں، خراسانیوں، تغلقوں، افغانوں) کے سپرد کی گئی جو بادشاہ سے نہ خون کا تعلق رکھتے تھے نہ قومیت کا، بادشاہ جس قدر ان پر انعامات کی بارش کرتا جاتا تھا، ان کی طمع بڑھتی جاتی تھی اور یہ خود اپنی خودمختار سلطنت قائم کر لینی چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کی وسیع سلطنت (ایسی وسیع کہ پھر دو صدی بعد تک ایسی وسعت حاصل نہ ہو سکی) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی۔ ہر چند ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں بادشاہ نے پوری کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہوا لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہر جگہ

نہ پہونچ سکتا تھا۔ اور وہاں حالت یہ تھی کہ آج ملتان باغی ہوا تو کل بنگال
کل لاہور میں فتنہ اٹھا تو پرسوں ورنگل میں۔ اِس وقت اودھ کی بغاوت
کی خبر ملی تو دوسرے وقت گجرات کی۔ بادشاہ کہاں کہاں پہونچ سکتا تھا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صوبے جن میں بنگال اور دکن بھی شامل تھے بالکل خود مختار
ہو گئے اور پھر کبھی تغلق سلطنت میں شامل نہ ہو سکے" لے

سلطان محمد تغلق نے ۲۷ سال تک حکومت کی اور اس میں شک
نہیں کہ ابتدائی زمانہ باعتبار وضع قوانین نظم سلطنت، کثرت فتوحات،
ایک یادگار زمانہ تاریخ ہند کا شمار کیا جاتا ہے لیکن بعض اسباب کی
وجہ سے جن کا اجمالی بیان ہم نے کیا ہے اس کا درمیانی اور آخری عہد
عہد اضطراب و اضطرار میں بسر ہوا۔ جس سال وہ مرنے والا تھا اسی
سال سندھ میں بغاوت رونما ہوئی۔ محرم کا مہینہ تھا کہ اس نے دریائے
سندھ کو عبور کیا اور بے شمار افواج لئے ہوئے ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔

وفات

محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ
صرف تیس کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرنے
کے بعد اس نے مچھلی کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس
بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں
کیا اور تیسرے دن ٹھٹھہ سے صرف چودہ کوس کا فصل رہ گیا تھا
کہ بادشاہ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا

لے (ملخص اسلامی ہند)

پڑا ایک ہفتہ تک سلطان اسی حالت میں مبتلا رہا یہاں تک کہ ۲۱ر محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا۔ جس کا مثل تاریخ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی[1]

---

[1] طبقات اکبری ۹۵ - ۱۱۳

Marfat.com

سُلطان فیروز شاہ

۷۵۲ھ = ۷۹۰ھ
۱۳۵۱ء ۱۳۸۸ء

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت میں وہ "فیروز شاہ" کی تخت نشینی کے لئے وصیت کر گیا تھا۔ اس لئے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو وہیں وادیٔ سندھ کے اندر تمام امرا کے انتخاب و اصرار سے تخت نشین ہوا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہوا ہرچند اس تخت نشینی پر "تغلق شاہ" کی لڑکی خداوند زادہ "(داور الملک کی ماں) کی طرف سے اعتراض ہوا کہ بھانجے کے ہوتے ہوئے برادر عم زاد کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن امرا نے خداوند زادہ کو سمجھایا کہ داور الملک حکومت کا اہل نہیں ہے اور اس وقت جب کہ ہم لوگ دہلی سے بہت بعید فاصلہ پر ہیں اور مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، کسی ہوشیار اور قابل دماغ کی ضرورت ہے۔ اسلئے فیروز شاہ کا تخت نشین ہونا ہر طرح مناسب ہے رہا داور الملک تو اسکو نائب باربک بنا دیا جائے گا۔ یہ سن کر "خداوند زادہ" خاموش ہو گئی۔ اور پھر "فیروز شاہ" کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ "خواجہ جہاں" نے دہلی میں "محمد تغلق شاہ" کا حال معلوم کر کے اس کا ایک فرضی بیٹا قرار دیکر تخت نشین کر دیا تھا۔ (سو اس کے متعلق بھی

Marfat.com

شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مفصل حالات لکھکر ثابت کیا کہ اس طرز عمل میں خواجہ جہاں کی کوئی بدنیتی شامل نہ تھی لیکن فیروز شاہ بغیر کسی مقابلہ کے دہلی میں داخل ہوا اور محل میں جاکر خداوند زادہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے فیروز کے سر پر تاج رکھا اور اس کے بعد اکیس دن تک جشن شاہانہ منایا گیا۔

اخلاقی زندگی

سلطان فیروز حد درجہ رحیم المزاج، نیک نفس، پابند مذہب بادشاہ تھا اور وہ خونریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود "فتوحات فیروز شاہی" میں جا بجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جور و ظلم سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین یہی بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون نظر آئے خونریزی مفقود ہو جائے۔ رعایا خوش حال رہے، اور اس کی طرف سے کسی کو ایذا نہ پہونچے"۔

جب فیروز شاہ جشن سے فارغ ہوا تو "خواجہ فخر شادی" نے جو سلطنت کا محاسب اعظم تھا۔ ایک فہرست پیش کی کہ خواجہ جہاں نے فلاں فلاں لوگوں کو اس قدر زر و جواہر تقسیم کیا تھا، اور محمد شاہ تغلق نے جو دو کروڑ تنکہ تقاوی تقسیم کرنے کی غرض سے دیا تھا، اس میں سے فلاں فلاں کو اتنا ملا ہے۔ فیروز شاہ نے قوام الملک خاں جہاں کی رائے طلب کی۔ اس نے کہا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے، تو وہ گزشتہ تقصیریں لوگوں کی معاف کر دیتا ہے۔ اگر

Marfat.com

مدشاہ تغلق" کی تقسیم کردہ تقاوی اور" خواجہ جہاں" کے لٹائے ہوئے
روجواہر کا مطالبہ کیا جائے گا، تو لوگ بددل ہو جائیں گے۔ اور وصول
نہ ہوگا۔ فیروز شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی وقت تمام کاغذات
نا میں حساب درج تھا مجمع عام میں جلا کر نیست و نابود کر دئیے اور ہر
نص اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا"

چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ:۔

(۱) مجھ سے قبل بہت سے ناجائز اور نامشروع ٹیکس قائم تھے۔
ں نے ان کو ایک قلم منسوخ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ صرف شرع کے مطابق
راج وصول کیا جائے یعنی زمین مزروعہ کی پیداوار کا دسواں حصہ،
دنی پیداوار کا ایک خمس، اور مسلمانوں کی صدقہ و زکوٰۃ کی رقم خزانہ میں
مل ہونی چاہئے۔

(۲) میرے عہد سے پہلے مال غنیمت کا پانچواں حصہ سپاہیوں کو
یا جاتا تھا۔ باقی خزانہ میں داخل ہوتا تھا۔ میں نے اس کو بھی موقوف کیا
یونکہ حکم شرعی اس کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ خزانہ
ں مال غنیمت کا ایک خمس داخل کیا اور باقی سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

(۳) شرع کے خلاف مسلمانوں میں عام طور سے یہ رواج ہو گیا
تھا کہ ان کی عورتیں شہر کے باہر مزاروں پر جاتی تھیں، چونکہ اوباشوں
اور بدمعاشی کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ اس لئے میں نے حکم دیا کہ آئندہ
عورت مزاروں پر جائے گی اس کو سخت سزا دی جائے گی چنانچہ

Marfat.com

یہ دستور بالکل موقوف ہوگیا۔

(۴) مجھ سے قبل یہ دستور تھا کہ شاہی دسترخوان پر سونے چا
کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا تھا۔ اور تلواروں کے قبضے وغیرہ زر
سے مرصع ہوتے تھے۔ میں نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا۔ اور حکم
ہتھیاروں میں صرف ہڈیوں کے دستے لگائے جائیں اور ظروف ن
وطلائی کا استعمال یک قلم موقوف کر دیا جائے۔

(۵) امراء زریں لباس پہنا کرتے تھے۔ اور زین، لگام
صراحی، خیمے، پردے، کرسیاں اور تمام چیزیں تصویروں سے آ
کی جاتی تھیں، میں نے ان ناجائز نقش و نگار کو محو کرا کے آئندہ کے
ممانعت کر دی۔

(۶) ریشمیں و زر بفت کے لباس کا بھی امراء میں عام روا
میں نے اس کی بھی ممانعت کی اور شریعت کے مطابق ایک انگل
زیادہ عرض ریشمی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

(۷) میرے آقا سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو لوگ قتل
ان کے وارثوں کو اور جو مفلوج الاعضاء تھے خود انہیں بلا کر اتنی
کی کہ انہوں نے رضامندی کا اظہار کر کے اقرار نامے لکھدئے کہ ہم
سلطان محمد تغلق پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میں نے یہ سارے اقرار
ایک صندوق میں بند کرا کے محمد تغلق کی قبر کے سرہانے رکھدئے ا
کے ساتھ کہ خدا میرے آقا کے ساتھ مہربانی فرمائے گا۔

Marfat.com

(۸) مجھ سے قبل جو وظائف اور دیہات معافی وغیرہ کے ضبط ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق میں نے عام حکم دیدیا کہ از روئے سند جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں تمام وظائف وغیرہ بحال کر دیئے جائیں۔

سراج عفیف نے فیروز شاہ کی زندگی کی تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً فیروز شاہ نہایت اچھے صفات کا بادشاہ تھا اور محمد تغلق کے بعد ہندوستان کو ایسا فرمانروا مل جانا ایک ایسا مرہم تھا جس نے تمام جراحتوں کو مندمل کر دیا۔ فیروز شاہی عہد میں جو انتظامات ہوئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ :-

(۱) بازار نفیس اور عمدہ اسباب تجارت سے معمور ہو گئے۔

(۲) مزدوروں کو پوری اجرت ملنے لگی اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔

(۳) پیشہ ور لوگ نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے اور شہر کی رونق بڑھنے لگی۔"

(۴) ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے۔

(۵) رعایا کے پاس غلہ اور تمام ضروری سامان زندگی مہیا ہو گیا اور تمام سلطنت میں امن و سکون و مسرت و خوشحالی نظر آنے لگی۔ ہر چند ان ٹیکسوں کے موقوف کر دینے سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی۔ لیکن اسکے عوض میں مخلوق خدا کو جو راحت و آسانی حاصل ہوئی وہ کافی سے زیادہ معاوضہ اس کی کمی کا تھا جس پر فیروز شاہ قانع تھا۔"

Marfat.com

سلطنت کے امراء وارا کین افسران و معززین علاؤالدین خلجی سے پہلے جاگیریں رکھتے تھے۔ اور یہی ان کی خدمات کا معاوضہ سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے اس دستور کو مٹا کر نقد تنخواہیں کر دی تھیں اور تمام جاگیریں وغیرہ خالصہ میں شامل کر لی تھیں۔ لیکن جب فیروز شاہ نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ لی تو اس نے اپنی فطرتی فیاضی اور نرمی سے مجبور ہو کر جاگیریں پھر بحال کر دیں اور کامل چالیس سال تک اس کے عہد سلطنت میں اس قاعدہ کی پابندی کی گئی اور کسی جاگیردار یا معافی دار کی طرف سے اظہار سرکشی و بغاوت نہیں ہوا۔

فوجی ملازمین کے لئے اس نے ایک قانون اور بنایا وہ یہ تھا کہ کوئی فوجی افسر مر جائے یا ضعیف ہو جائے تو اس کے بیٹے کو جگہ دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو داماد کو اگر یہ بھی نہ ہو تو غلام کو اور اس کے بعد کسی قریبی رشتہ دار کو۔ جب تک فیروز شاہ زندہ رہا اس قانون پر عمل کیا اور اس طرح فوجی خدمات کی طرف لوگوں کو بہت زیادہ توجہ ہو گئی۔

فیروز شاہ کو چونکہ غلاموں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے تھوڑے دنوں میں تحائف اور نذرانوں کی صورت سے اس قدر کثرت سے غلام جمع ہو گئے کہ سلطان کو مستقلاً ان کا انتظام کرنا پڑا۔ بہت سے غلام تو اس نے مختلف اقطاع ملک میں بھیج دیے اور وہاں ان کی تربیت کا انتظام کیا جو غلام شہر میں رہ گئے ان کا مشاہرہ ۱۰۰ تنکہ سے دس تنکہ تک حسب حیثیت مقرر کیا علاوہ اس کے ہر غلام کو اس کی

میلانِ طبیعت کے موافق تعلیم بھی دلائی کسی کو حافظ بنایا اور کسی کو فقیہہ کسی کو حدیث کا درس دلایا اور کسی کو علم کلام کا۔ کسی کو خوش نویسی کی تعلیم دلائی اور کسی کو سپاہ گری کی، اسی طرح دوسرے پیشوں اور حرفوں کی طرف ان کو راغب کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ اسی ہزار غلاموں میں بارہ ہزار غلام صرف وہ تھے جو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے غلاموں کا محکمہ ہی جدا کر دیا تھا۔ اور اس محکمہ کے دیوان خزانچی، محاسب وزیر الگ کر دیئے تھے۔ جن امراء کو غلام دیئے جاتے تھے ان کو سخت تاکید کی جاتی تھی کہ اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کریں اور تعلیم و تربیت کی خاص نگرانی رکھیں۔

ترقی زراعت

زراعت و آبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲ پرگنے تھے اور تمام پرگنوں میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ تھا۔ اور ایک چپہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی، صوبہ سامانہ میں بھی ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے تھے اور تمام رعایا خوش حال نظر آتی تھی۔

ارزانی کی یہ کیفیت تھی کہ خاص دہلی میں ایک من گیہوں ۸ جتیل میں ایک من جوار اور جو ۴ جتیل میں عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر دلا ہوا غلہ جسے سراج عفیف نے ولبدہ یعنی "دلیہ" سے تعبیر کیا ہے۔ ایک جتیل میں خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جتیل کا ایک سیر اور شکر ۲ یا ۲½ جتیل کی ایک سیر ملتی تھی۔ اگر

Marfat.com

کبھی امساک باراں ہوتا تو ایک تنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ چالیس سال تک فیروز شاہ نے حکومت کی اور اس زمانہ میں قحط عام یا گرانی کی شکایت کسی کو نہیں ہوئی۔ کپڑے کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔"

آمدنی

اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۸۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی ۶ کروڑ ۸۵ لاکھ تنکہ تھی لیکن یہ سب خزانہ شاہی میں نہ آتی تھی۔ بلکہ مختلف امراء و اراکین، ملوک و وزراء، ملازمین مال فوج پر جاگیروں کی صورت میں منقسم تھی۔ خان جہاں وزیر کی ذات خاص کا تیرہ لاکھ تنکہ مقرر تھا، اسی طرح کسی کی جاگیر آٹھ لاکھ کی تھی۔ کسی کی چھ لاکھ کی کسی کی ۴ لاکھ تنکہ کی۔ چنانچہ امراء کی دولت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب ملک شاہین شنیجہ (جو مجلس خاص کا نائب امیر تھا) مرا ہے تو علاوہ قیمتی گھوڑوں اور جواہرات کے پچاس لاکھ تنکہ نقد اس کے گھر سے نکلا تھا۔ اس طرح عماد الملک کی دولت کا کوئی اندازہ نہ ہوسکتا تھا۔ مشہور ہے کہ اس نے روپیہ رکھنے کے لئے جو تھیلیاں سلوائی تھیں ان میں ڈھائی ہزار تنکہ صرف ہو گیا تھا (حالانکہ اس وقت ایک ٹاٹ کا تھیلا چار جیتل میں آتا تھا) کہا جاتا ہے کہ سترہ کروڑ تنکہ نقد اس کے پاس موجود تھا۔ پھر یہ دولت و خوش حالی مخصوص افراد کا حصہ نہ تھی بلکہ تمام امراء و اراکین، ملازمین و متوسلین یہاں تک کہ کاشتکار اور مزدور بھی ایک دوسرے سے مستغنی نظر آتے تھے حد درجہ راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ علماء و مشائخ کیلئے

۳۶ لاکھ تنکہ اور سائلین و فقراء کے لئے ایک لاکھ تنکہ بطور وظائف کے تقسیم کیا جاتا تھا۔

بیروزگاری کا انسداد

فیروز شاہ کے لئے یہ امر بار خاطر تھا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بیکار رہے اور کلفت سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب کوئی شخص بیکار نظر آئے تو کوتوال اہل محلہ سے اس کے حالات تحقیق کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرے۔ پھر بادشاہ ہر بیکار کو اس کی حسب حیثیت مشاغل بتا دیتا۔ کسی کو کارخانہ میں بھیج دیتا۔ کسی کو وزیر کے پاس بھیج دیتا اگر کوئی کسی جاگیردار کے پاس رہنا چاہتا تو وہاں بھیج دیا جاتا۔ ان لوگوں کے رہنے کے لئے مکان ملتے اور ان کی معاش کا پورا انتظام کیا جاتا۔"

کارخانہ جات

بادشاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے ان کی دو قسمیں تھیں معمولی اور غیر معمولی۔ معمولی قسم میں فیل خانہ یا پائے گاہ (اصطبل) مطبخ، شتر خانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا، اور اس قدر صرف ملازمین وغیرہ کے مشاہرہ کا تھا۔"

غیر معمولی قسم میں جامدار خانہ، علم خانہ، فراش خانہ، رکاب خانہ، وغیرہ داخل تھے ان کارخانوں کے لئے ہر سال نیا سامان خریدا جاتا جامدار خانہ کے لئے موسم سرما میں (بہار و گرمی کی خریداری علیحدہ تھی)

Marfat.com

۶ لاکھ تنکہ کا، علم خانہ کے لئے ہر سال ۸۰ ہزار تنکہ کا، اور فراش خانہ کے لئے ہر سال دو لاکھ تنکہ کا اسباب خریدا جاتا تھا، ہر کارخانہ ایک امیر کے ... تھا۔ اور سب کا حساب جداگانہ مرتب کیا جاتا، تمام کارخانوں کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کے ذمہ تھی۔"

سکہ

سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکوں کی طرف بہت توجہ تھی۔ اس نے بڑی احتیاط کی کہ سکے عمدہ اور خالص تیار ہوں، "اس کے عہد کے خاص سکے علاوہ طلائی اور نقرئی تنکہ کے پہلے سے رائج تھے۔ چہل و ہشت گانی۔ بست و پنج گانی (یہ سکے فیروز شاہ کی اختراع تھے) بست و چہار گانی، دوازدہ گانی، دہ گانی، ہشت گانی، شش گانی تھے ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لیکر ۶ جیتل تک تھیں۔"

ایک بار بادشاہ کو خیال آیا کہ خرید و فروخت کے وقت ایک جیتل سے کم کا حساب ہوتا ہوگا تو بیچنے والا کیونکر فاضل رقم واپس کرتا ہوگا جبکہ جیتل سے کم سکہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دو سکہ اور رائج کئے ایک نصف جیتل کا جسے آدھہ کہتے تھے اور دوسرا پاؤ جیتل کا جس کا نام بیکھہ رکھا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ شش گانی سکہ میں کچھ خفیف سی کھوٹ ہے، اور بازار میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے وزراء کو حکم دیا کہ اس کی کامل تحقیقات کی جائے، یہ واقعہ ۷۷۶ھ

کا ہے، خان جہاں زندہ تھا، جب اس کو بھی خبر ہوئی تو بادشاہ سے عرض کیا کہ سکہ کی حالت تا کتخدا لڑکی کی سی ہے کہ اگر اس کی عصمت پر چھوٹا الزام بھی لگ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں پوچھتا، اس لئے اگر علانیہ تحقیقات کی گئی اور کھوٹ ثابت ہو گیا تو شاہی سکہ کا اعتبار اٹھ جائیگا اس لئے پہلے خفیہ جانچ مناسب ہے، اس وقت گجر شاہ ٹکسال کا مہتمم تھا۔ اس سے خان جہاں نے دونوں مخبروں کو حراست میں لیکر کہا کہ کیا تم اپنی طور پر تحقیق کر کے مجھے اطلاع دو گے، چنانچہ اس نے تفتیش کی اور خان جہاں سے کہا کہ واقعی ٹکسال کے بعض شریر آدمیوں نے سکہ میں کچھ کھوٹ ملادی ہے، خان جہاں یہ سن کر خاموش ہو گیا اور پھر کچھ سوچ کر حکم دیا کہ سناروں کو بلا کر بادشاہ کے سامنے اس طور سے جانچ کرائی جائے کہ وہ سکہ کے کھرے ہونے کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ گجر شاہ نے سناروں سے حالات بیان کئے انہوں نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سامان کے برہنہ طلب کئے جائیں لیکن تھوڑی سی چاندی کسی کوئلہ کے اندر رکھ کر شگاف یا سوراخ کو موم سے بند کر دیا جائے۔ جب ہم سکہ گلائیں گے تو اس کوئلہ کو بھی اس میں ڈال دیں گے اور اس کی چاندی سکہ کی چاندی سے مل کر وزن کو پورا کر دیگی۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور مجمع عام میں بادشاہ کے سامنے سکہ کی جانچ کی گئی چونکہ اس ترکیب سے کسی کو کھوٹ کا پتہ نہ چلا اور سکہ کا وزن صحیح نکلا اس لئے بازاروں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جانچ سے

سکہ ششگانی بالکل کھرا معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے کجر شاہ کو خلعت دیا گیا اور مخبروں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد خان جہاں نے کسی اور بہانے سے کجر شاہ کو علیحدہ کر دیا۔

اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں کسی قابلیت کا وزیر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں فیروز شاہ کیسا امین اور متدین تھا۔"

جب بادشاہ نے بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شہر حصار فیروزہ کی بنیاد ڈالی (جس کا حال آگے آتا ہے) تو اس نے اس نواح کی زمین کو (جس میں فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں داخل تھے) کی پیداوار کو بہت بڑھایا۔"

انتظام آب پاشی بادشاہ کو آبادی املاک کا اس قدر خیال تھا کہ بارش کے زمانہ میں وہ خاص خاص افراد کو متعین کرتا کہ نہروں کے کنارے پھر کر دیکھیں کہ سیلاب کہاں تک پہونچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتا جب اسے معلوم ہوتا کہ کاشتکار نہروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فیروز شاہ کے یہی انتظامات تھے۔ جنہوں نے نہ صرف اس کی جاگیر بلکہ سارے ملک کو آباد و خوش حال بنا دیا تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی تعمیرات ہیں جنہوں نے ایک طرف ملک کو پر رونق بنانے میں

Marfat.com

مدد دی تو دوسری طرف رفاہِ عام میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

اس کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا۔ اور آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اوّلیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل تھا۔

نئے شہروں کی بنا

علاوہ فتح آباد و فیروزہ حصار کے اس نے حسبِ تفصیل ذیل اور نئے شہر تعمیر کئے :۔

فیروز آباد۔ فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کاسنہ، تغلق پور ملوک نکوت اور جونپور، اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک، نزول کوشک، مہندواری، کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں اور جو دلّی سے نظام الدین جاتے ہوئے راستہ میں ملتا ہے) کوشک، بند فتح خاں، کوشک سالورہ خاص شہرت رکھتے تھے۔

بند

اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے، ان میں بند فتح خاں بند مالجا، بند مہپالپور، بند شکر خاں، بند سالورہ، اور بند وزیر آباد، بہت مشہور ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے بندوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔

خانقاہیں و سرائیں

دہلی اور فیروز آباد میں اس نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے مسافروں اور فقرا سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا تمام مصارف خزانۂ شاہی سے نقد دئے جاتے تھے اور ایک امیر ان کا متولی تھا۔

Marfat.com

محلات فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کئے تھے۔ ایک کا نام "محل صحن گلی" اس کو محل انگوری بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام "محل چھجہ چوبیں" تھا اور تیسرے کو محل بار عام کہتے تھے۔ (صحن میانگی اس کا دوسرا نام تھا) پہلے محل میں صرف خوانین، ملوک، امراء، اور خاص خاص اہل قلم سے ملاقات ہوتی تھی دوسرا محل گویا خلوت کدہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی تھی، تیسرا محل عام دربار کے لئے تھا۔

باغات فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤ الدین کے زمانہ کے تیس باغات کو بھی از سر نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ اسی طرح سلوزہ کے قریب اس نے ۸۰ باغ تیار کرائے اور چتوڑ میں چوالیس تمام باغوں میں علاوہ اور میووں اور پھلوں کی آمدنی تھی۔ جب حصار فیروزہ میں نہر کا پانی آنے لگا تو یہاں بھی کثرت سے باغات نصب کرائے۔

نہریں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رفاہ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجرا تھا۔ حصار فیروزہ جس جگہ بنایا گیا تھا۔ وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی، اس لئے اس نے یہ مصیبت دور کرنے کے لئے اور نیز مزارعین کو فائدہ پہونچانے کے لئے دو نہریں بنوائیں۔ ایک نہر اس نے دریائے جمن سے نکالی

Marfat.com

جس کا نام اس نے رجیراہ (رجیواہ) رکھا اور دوسری نہر دریائے ستلج سے جس کا نام الغ خانی تھا یہ دونوں نہریں کرنال کے قریب ہوکر گزرتی تھیں اور ۸۰ کوس کے بعد دونوں ملکر شہر فیروزہ حصار میں پہونچتی تھیں ہر دو نہریں آج بھی موجود ہیں۔

اس نہر کا ثبوت عہد اکبری کی ایک سند ۹۷۸ھ سے بھی ملتا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے کہ دریائے چتانگ سے ۲۱۰ سال ہوئے سلطان فیروز شاہ نے نہر نکالی تھی، نالوں وغیرہ کا پانی بہتا ہوا سادرہ کے قریب ہانسی، حصار کے پہاڑی کے دامن میں پہونچتا ہے۔"

علاوہ ان نہروں کے فیروز شاہ نے اور بھی متعدد نہریں جاری کی تھیں جن میں سے ایک کا ذکر تیمور نے اپنے ملفوظات میں قلعۂ لونی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "قلعۂ لونی دریائے جمنا اور ہنڈون کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈون حقیقتاً ایک بڑی نہر ہے جسے فیروز شاہ نے دریائے کالی ندی سے نکال کر فیروز آباد کے محاذ میں جمنا سے ملادیا تھا۔

رفاہ عام | فیروز شاہ کو عمارات اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف بہت توجہ تھی اور اس نے کثرت سے اس قسم کی عمارتیں بنوائیں جس سے رعایا کو فائدہ پہونچے۔

آثار قدیمہ کا تحفظ | آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کا خیال سب سے پہلے ہند و پاکستان میں فیروز شاہ کو پیدا ہوا اور اس خیال کے ماتحت جن جن عمارتوں کی اس نے مرمت کرائی انکا

Marfat.com

ذکر خود اس نے اپنی فتوحات میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرانی عمارتیں جو خراب و ویران ہو گئی تھیں میں نے ان کی مرمت کرائی اور ان کی آبادی کو میں نے اپنے محلات میں تعمیر پر مقدم جانا چنانچہ۔

(۱) دہلی کی جامع مسجد جو سلطان معز الدین سام نے تعمیر کرائی تھی اور کہنگی کے سبب سے خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو بالکل بنا کرا دیا۔

(۲) سلطان معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار بوسیدہ ہو گئی تھی میں نے اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اور منقش محرابیں صندل کی لگوا دیں۔ سلطان معز الدین کا مینار بھی بجلی سے گر پڑا تھا۔ میں نے اس کو پہلے سے بھی زیادہ بلند بنوا دیا۔

(۳) حوض شمسی (سلطان التمش کے حوض) میں بعض شریر آدمیوں نے پانی آنے کی راہیں بند کر دی تھیں میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور پانی کے منبع پھر جاری کر دیئے۔ اسی طرح حوض علائی (سلطان علاؤ الدین کا حوض) مٹی سے بھر گیا تھا۔ اور وہاں کھیتی ہونے لگی تھی میں نے اس کو بھی صاف کرا دیا۔

(۴) سلطان التمش کا مدرسہ (جو التمش کے مقبرہ سے ملحق تھا) بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اسے بھی از سر نو بنایا اور صندل کے دروازے اس میں لگوا دیئے۔ جو ستون گر گئے تھے ان کو پہلے سے زیادہ اچھا بنوا دیا۔ مقبرہ کا صحن مدور نہ تھا میں نے اسے مدور کرا دیا۔ چار فصیں

Marfat.com

برجوں کا پشتہ گر گیا تھا وہ بھی میں نے وسیع کرا دیا۔

(۵) سلطان شمس الدین کے بیٹے معز الدین سام کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا بالکل کھنڈر ہو گیا تھا۔ اور قبر کا کہیں نشان نہ تھا۔ میں نے از سرِ نو برج کی تعمیر کرائی اور احاطہ کی دیوار کھنچوا کر قبر کا چبوترہ بنوا دیا۔

(۶) سلطان شمس الدین کے بیٹے سلطان رکن الدین کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا۔ بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اس کی دیوار احاطہ کھنچوائی اور نیا گنبد بنوا کر ایک خانقاہ بھی وہیں تعمیر کرا دی۔

(۷) سلطان علاؤ الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوا دئے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کے اندر جو مسجد تھی اس کی مغربی دیوار بنوائی اور چوپر کا فرش تیار کروایا۔

(۸) سلطان قطب الدین کا مقبرہ اور سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں، خضر خاں، شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں، عثمان، اور اس کے پوتوں اور پرپوتوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور از سرِ نو تعمیر کرایا۔

(۹) شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء) کے مقبرہ کے دروازے اور قبر کی صندلی جالیاں خراب ہو گئی تھیں ان کی مرمت کرائی اور چاروں محرابوں میں سونے کے جھاڑ طلائی زنجیروں سے آویزاں کرا دئے ایک مجلس خانہ بھی بنوا دیا جو اس سے قبل نہیں تھا۔

Marfat.com

(۱۰) سلطان علاؤالدین کے وزیر اعظم تاج الملک کافوری کی قبر ہموار ہو گئی تھی اور گنبد گر پڑا تھا میں نے اس کی بھی از سر نو تعمیر کرائی۔

(۱۱) دارالامان (یہ بڑے بڑے آدمیوں کے دفن ہونے کی جگہ تھی) میں نے دروازے صندل کے لگوائے اور مشہور آدمیوں کی قبروں کے غلاف اور پردے بنوائے۔

(۱۲) سلطان محمد تغلق نے "جہاں پناہ" کی بنیاد ڈالی تھی میں نے اُسے مکمل کرا دیا کیونکہ سلطان محمد تغلق میرا مربی اور استاد تھا۔

(۱۳) دہلی میں اگلے بادشاہوں نے جتنے قلعے اور حصار بنوائے تھے ان سب کی میں نے مرمت کرائی۔

(۱۴) ان مدرسوں و مقبروں کی تعمیر کا خرچ ان کی قدیم املاک اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا بعض عمارتیں ایسی بھی تھیں جن کے فرش، روشنی اور مسافرین و زائرین کی مہمان نوازی کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی میں نے ان کے لئے دیہات وقف کئے تاکہ ان کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

(۱۵) نامور سلاطین اور اولیاء کے مقابر کے لئے دیہات وقف تھے میں نے ان کو بدستور قائم رکھا۔ اور بعض جدید مقابر و مزارات کے لئے بھی زمین وقف کر دی۔

دارالشفاء

(۱۶) میں نے دارالشفاء بھی تعمیر کرایا۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ تمام طبقوں کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ اطباءِ حاذق

Marfat.com

تشخیص امراض و معالجہ کے لئے مقرر ہیں اور غذا دوا وغیرہ سب جائداد موقوفہ کی آمدنی سے مہیا کی جاتی ہے۔"

مدارس فیروز شاہ نے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں سے ایک فتح خاں کے مقبرہ کے پاس تھا جسے "قدم شریف" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی اور ایک حوض بھی۔ فتح خاں، فیروز شاہ کا بہت محبوب فرزند تھا۔ اور یہ مدرسہ مع مسجد کے اسی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔

دوسرا مشہور مدرسہ فیروز آباد میں تھا جو "فیروز شاہی مدرسہ" کے نام سے مشہور تھا۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ "یہ مدرسہ بہ لحاظ عمارت و تعلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔"

اس مدرسہ کی عمارت بہت وسیع تھی اور اس کے گنبد بڑے شاندار تھے۔ یہ مدرسہ ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع تھا۔ ہر وقت سینکڑوں طلبہ اور کثیر علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے تھے۔ اور سارا باغ ان کے لئے وقف تھا۔ یہاں ان کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس عبادت و تفریح کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ تالاب کے کنارے باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے صیقل کئے ہوئے فرش پر اپنے مشاغل علمیہ میں منہمک نظر آتے تھے۔

اس مدرسہ سے متعلق ایک مہمان خانہ بھی تھا جہاں سیاح آکر قیام کرتے تھے اور مسجد و مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ یا خیرات خانہ بھی تھا جس سے تمام غرباء اور مساکین کو امداد ملتی تھی۔

Marfat.com

لاٹیں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے بے انتہا قابل قدر کام یہ کہ اس نے قدیم عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر کوشک شکار میں نصب کرائے۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں جن پر پالی حروف میں اسوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلغ) کے احکام مذہبی منقوش ہیں۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہونچے تو فیروز شاہ نے تمام پنڈتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا۔

ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بودھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش وسعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنی دارالحکومت میں منتقل کرایا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ آثار قدیمہ کی حفاظت کا فطری ذوق رکھتا تھا۔ اور اس مسئلہ میں وہ مذہبی تعصب سے کام نہ لیتا تھا اس سے ان مذہبوں کے آثار رہ گئے۔

فرشتہ نے اور صاحب طبقات اکبری نے حسب ذیل فہرست عمارات کی مرتب کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے:۔

۵۰ بند جن سے آب پاشی ہوتی تھی ــــ ۴۰ مسجدیں ــــ ۳۰ جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں ــــ ۲۰ خانقاہیں ــــ ۱۰۰ محل ــــ ۵۰۰ شفاخانے ــــ ۱۰۰ مقبرے ــــ ۱۰ حمام ــــ ۱۵۰ کنوئیں

۱۰۰ پل ــــ ۲۰۰ رباط ــــ ۳۰ شہر ــــ ۴۰ حوض ــــ ۱۰ اپنار ے ــــ باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے۔ ان میں سے ہر عمارت کے لئے اس نے جائیداد وقف کی تاکہ وہ خراب نہ ہونے پائے۔ اور اس کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

مدارس کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے۔ مآثر رحیمی میں پچاس مدرسہ درج ہیں۔ فقیر محمد لکھتے ہیں کہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں تیس کی تعداد درج ہے۔ اگر ان میں سے کوئی تعداد صحیح نہ ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے متعدد مدرسہ قائم کئے۔

ان شفاخانوں کا جو انتظام تھا اس کا حال خود فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھ دیا ہے۔ اور جسے ہم درج کر چکے ہیں۔

دیوان خیرات

غربا کے فائدہ و سہولت کے لئے اس نے دیوان خیرات بھی قائم کیا تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جن غربا و مساکین کی لڑکیاں جوان ہو گئی ہوں اور بوجہ افلاس ان کی شادی نہ ہو سکتی ہو انہیں امداد دی جائے۔ پچاس سے بیس تنکہ تک، ہر شخص کی مدد کی جاتی تھی، سراج عفیف لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزاروں آدمیوں کی اعانت کی گئی اور خدا جانے کتنی نا کتخدا لڑکیوں کی شادی ہو گئی۔"

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علماء و مشائخ کے لئے اس نے ۳۶ لاکھ تنکہ کے وظائف مقرر کئے۔ مقابر کے لئے ایک لاکھ تنکہ اس کے علاوہ تھی

Marfat.com

لیکن اس نے خدمتِ علم صرف اسی حد تک نہیں کی، بلکہ تصانیف کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ جب سلطان نے نگرکوٹ فتح کرنے کے بعد وہاں راجہ کو بدستور حکمراں قائم رکھا تو اس نے چند دن وہاں قیام بھی کیا، اس دوران میں اس سے لوگوں نے کہا کہ جب سکندر یہاں آیا تھا تو برہمنوں نے نوشابہ (سکندر بی بی) کا بت تیار کر کے اس کی پرستش شروع کی تھی، چنانچہ اب بھی یہاں کے لوگ اسی مجسمہ کو پوجتے ہیں۔

دارالترجمہ و کتب خانہ

فیروز شاہ سے برہمنوں نے یہ کہا کہ مندر میں ۱۳۰۰ کتابیں قدیم زمانہ کی رکھی ہوئی ہیں، چنانچہ فیروز شاہ اس بت خانہ میں جس کو "جوالا مکھی" کہتے ہیں گیا اور وہاں تمام علماء کو طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا انہیں میں سے ایک کتاب حکمت نظری و عملی کی تھی جس کو اعزالدین خالدخانی (جو اس وقت کے مشہور شعراء میں سے تھا) نظم کر کے دلائل فیروز شاہی نام رکھا۔ ایک کتاب عروض علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں حاکم و محکوم کے درمیان ایسے تعلق پیدا ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی زبان کو سیکھتا تھا۔ اور تعصب بڑی حد تک مٹ چکا تھا۔ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی (جس میں عہد فیروز شاہی کے ابتدائی دس سال کے حالات بھی درج ہیں) اس کے عہد میں ختم ہوئی، تفسیر تاتارخانی، فتاوائے تاتارخانی (جو فن تفسیر و فن فقہ کی بے مثل کتابیں ہیں

بعین الملکی اس عہد کی مشہور تصانیف ہیں جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

علماء و فضلاء فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے وہ مدرسۂ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے۔ دوسرے مولانا عالم آندپتی جن کی نسبت مولانا عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاوائے تاتارخانی کی ترتیب میں انہیں کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد) مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبدالمقتدر جو علاوہ فاضل ہونے کے بے مثل شاعر بھی عربی، فارسی، کے تھے اور جنہوں نے لامیۃ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کرلی ہے)۔ ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر کڑوی اور قاضی عابد بھی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبان کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فنون کی ترویج فیروز شاہ کو تمام فنون کے ساتھ دلچسپی تھی چنانچہ استاد کے ماتحت اس نے اپنے غلاموں کی بڑی تعداد کو مختلف پیشوں اور حرفتوں کی تعلیم دلائی۔ اور لوگوں میں مختلف نئی نئی چیزیں بنانے کا ولولہ پیدا کردیا اس عہد کے ایک مشہور ایجاد طاس گھڑیال ہے جس سے نمازوں کے اوقات روزہ کھولنے کا وقت سایہ کا حال، شب و روز کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی تھی، فیروز آباد میں جہاں یہ گھڑیال لگا تھا وہاں اس کے دیکھنے کے لئے ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس ایجاد کو خود فیروز شاہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر چیز

کے موقعہ پر جو سال میں چار بار (عیدین، و نوروز و شب برات) ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد داستان گو، گوئیے، ماہرین رقص، پہلوان اور کرتب دکھانے والے جمع ہو کر اپنا کمال و تماشہ دکھایا کرتے تھے، اور بادشاہ سب کو انعام دے کر رخصت کرتا تھا۔"

فیروز شاہ کو قدیم اور نادر چیزیں جمع کرنیکا بڑا شوق تھا، چنانچہ اشوکا کے سنگین ستونوں کا فیروز آباد میں نصب کرنا بھی اسی ذوق کی بنا پر تھا، اس نے ایک خاص مکان اس لئے تعمیر کرایا تاکہ وہاں ایسی عجیب و غریب چیزیں رکھی جائیں۔

سراج عفیف نے لکھا ہے کہ اس عجائب خانہ میں ایک پستہ قد شخص ایسا تھا جو صرف ایک گز لمبا تھا، لیکن اس کا سر تین آدمیوں کے برابر تھا، دو آدمی دراز قامت تھے۔ یہ اتنے لمبے تھے کہ اس وقت کا طویل سے طویل قد رکھنے والا آدمی ان کی کمر تک پہونچتا تھا۔ دو عورتیں ایسی تھیں جن کی داڑھی بالکل مردوں کی طرح تھی۔ ایک بکری تین پاؤں کی تھی جو خوب دوڑتی تھی۔ ایک سیاہ کوا سرخ چونچ کا۔ ایک سپید طوطی سیاہ منقار کی۔ ایک گائے جس کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔ اور علاوہ ان کے اور بہت سی چیزیں اس عجائب خانہ میں تھیں۔ آدمیوں اور ہاتھیوں کی وہ ہڈیاں بھی اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی تھیں، جو سرستی اور ستلج کے درمیان پشتہ زمین کھودنے سے برآمد ہوئی تھیں، بعض ہڈیاں ایسی تھیں جو نصف پتھر ہو گئی تھیں۔

Marfat.com

شکار فیروز شاہ کو ملکی ہی سے شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ تغلق اسے منع بھی کرتا رہتا، لیکن یہ باز نہ آتا۔ جب عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس شوق نے اور زیادہ ترقی کرلی۔

یہ نہ صرف چیتوں اور سیاہ گوش کے ذریعہ سے شکار کھیلتا تھا بلکہ شیر بھی اس غرض سے اس نے پال رکھے تھے۔ شاہین، باز، جرہ بحری وغیرہ کے ذریعہ سے بھی شکار کھیلتا تھا۔

موسم گرما میں دیپال پور اور سرستی کا درمیانی حصّہ گورخر کے شکار کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح موسم سرما میں بدایوں، اور آنولہ کے جنگلوں میں نیل گائے کا شکار کیا کرتا تھا، اگر کسی جنگل میں شیر آجاتا تو کوئی اس کا شکار نہ کرتا، بلکہ بادشاہ کو اس کی خبر دی جاتی اور یہ فوراً وہاں پہونچ کر اس کا شکار کرتا۔

امن وسکون چونکہ فیروز شاہ فطرتاً رحیم المزاج تھا، اس لئے فتوحات کے لحاظ سے اس نے کوئی ترقی نہیں کی، تاہم اس کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں جو طوائف الملوکی اور بدامنی پھیل گئی تھی وہ اس کے عہد میں مفقود ہوگئی اور سلطنت میں ہر طرف امن وسکون نظر آنے لگا۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا اس میں جنگی قابلیت تھی پر وہ کشت وخون سے گھبراتا تھا۔

رکن جہاں حسن گنگو نے اپنی خود مختاری حکومت بہمنی سلطنت کے نام سے کوہ وندھیاچل کے جنوب تک قائم کرلی تھی، اور جو ۱۸۰۰ تک قائم ہوئی

Marfat.com

بدستور مطلق العنان رہا۔ بنگال کی طرف ہر چند فیروز شاہ دو مرتبہ گیا، لیکن کشت وخون کے خیال سے لوٹ آیا۔

پہلی دفعہ جب ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء میں وہ بنگال کی طرف گیا تو گیارہ مہینہ تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی افواج قتل کی گئی۔ لیکن جب فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ اس قدر جانیں ضائع گئی ہیں تو اس نے یک ڈلہ کے قلعہ کا محاصرہ (جہاں شاہ بنگال بھاگ کر پناہ گزیں ہوگیا تھا) چھوڑ دیا اور دہلی واپس آیا۔

فتوحات

اس کے بعد ۷۶۰ھ/۱۳۵۹ء میں وہ پھر بنگال گیا اس وقت ستر ہزار سوار اور بے شمار پیدل فوج ساتھ تھی (۴۷۰ ہاتھی بھی ہمراہ تھے) لیکن اس مہم کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ صلح ہوگئی۔ واپسی میں بادشاہ ہاتھیوں کا شکار کرتے پدماوی (چھوٹا ناگپور) کے جنگل میں پہونچ گیا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر دہلی واپس آسکا۔ اس دفعہ وہ ڈھائی سال کے بعد دہلی آیا اور آخر ۶ ماہ میں تو کوئی خبر ہی بادشاہ کی دہلی تک نہ پہونچ سکی۔

اس کے بعد اس نے ٹھٹھہ فتح کرنے کا عزم کیا اور نوّے ہزار سوار ۴۸۰ ہاتھی لے کر بھکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوج ۵۰۰۰ کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پہونچی اور کچھ ساحل گئیں۔ اتفاق سے اس زمانہ میں قحط پڑ گیا، اور سماوجام (فرمانروائے سندھ) کے مقابلہ میں شکست ہوئی واپسی میں فیروز شاہ نے گجرات کا قصد کیا

لیکن راستہ بتانے والوں نے دھوکہ دے کر کچھ کی دلدلوں میں پھنسا دیا۔ پھر ۶ ماہ تک بادشاہ کی کوئی خبر دہلی نہیں پہونچ سکی۔ اس مصیبت سے نجات پانے پر بادشاہ نے پھر گجرات میں فوج مرتب کی اور دہلی سے کمک طلب کر کے سندھ پر حملہ کیا اس مرتبہ بادشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں کے فرمانروا کو معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا اس کے بعد نگر کوٹ پر حملہ کیا اور وہاں فتح ہوئی۔

جب فیروز شاہ، دہلی آکر انتظام سلطنت میں مصروف ہوا تو خداوندزادہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) معہ اپنے شوہر کے وہیں ایک محل میں رہتی تھی۔ فیروز شاہ ہر جمعہ اس محل میں جاتا۔ ملک خسرو آگے کھڑا رہتا اور ملک داور (خداوندزادہ کا بیٹا) اُس کے پیچھے بیٹھتا۔ جب بادشاہ رخصت ہونے لگتا تو خداوندزادہ پان دیتی۔

واقعہ ہر چند خداوندزادہ فیروز شاہ کی تخت نشینی پر راضی ہو گئی تھی، لیکن حقیقتاً وہ اس سے خوش نہ تھی ایک بار اس نے فیروز شاہ کو قتل کر دینے کی سازش کی اور محل کے اندر حجروں میں زرہ پوش سپاہیوں کو چھپا کر تاکید کر دی کہ "جب میں اپنے سر پر دوپٹہ کو درست کرنے لگوں تو فیروز شاہ کا کام تمام کر دیں"۔

رحم دلی جب فیروز شاہ حسب معمول آیا تو داور ملک نے جو اس سازش میں شریک نہ تھا بادشاہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ کچھ سمجھ کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ خداوندزادہ روکتی رہی مگر یہ کوئی عذر کر کے

Marfat.com

چلا آیا۔ اس کے بعد جب خداوندزادہ کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو زرہ پوش سپاہی گرفتار ہوئے اور انہوں نے سارا حال بیان کردیا۔ بادشاہ نے خداوندزادہ کو صرف یہ سزا دی کہ وہ گوشہ نشین ہوجائے اور اپنا وظیفہ لیتی رہے اور اس کے شوہر خسرو ملک کو جلاوطن کردیا۔"

جب بادشاہ اوّل مرتبہ بنگال کی مہم پر گیا تو تاتارخاں بھی ساتھ تھا، بادشاہ کبھی کبھی شراب کا شغل کیا کرتا تھا، ایک دن صبح کو اتفاق سے تاتارخاں اس کے خیمہ میں پہونچ گیا۔ فیروز اس وقت اسی شغل میں مصروف تھا، فوراً شراب کا سامان پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ لیکن تاتارخاں نے دیکھ لیا اور بادشاہ کو نہایت سختی سے زجروتوبیخ کی۔ بادشاہ بہت نادم ہوا۔ اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ میں تمہاری موجودگی میں کبھی شراب نہ پیوں گا۔

وقائع

تاتارخاں صرف ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن یہ فیروز شاہ کی حد درجہ انصاف پسندی اور سلامت طبع تھی کہ اس نے اپنے ایک معمولی امیر کی جھڑکی سن لی اور جواب میں سوائے انفعال وندامت کے اظہار کے اور کچھ نہ کہا۔

جب بادشاہ ضعیف ہوگیا تو اس کو ایک سخت صدمہ تو اپنے وزیر خان جہاں کی وفات کا پہونچا، اور دوسرا صدمہ بڑے بیٹے فتح خاں (ولی عہد) کا جس کی وفات وزیر کے تین سال بعد وقوع میں آئی۔ فتح خاں نہایت ہوشیار و قابل لڑکا تھا اس لئے اس کی موت نے بادشاہ کی کمر

Marifat.com

توڑ دی۔ فیروز شاہ نے خان جہاں کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو وزیر کر دیا۔ لیکن فیروز کے دوسرے بیٹے محمد کی سازش سے وزیر کو معزول ہو کر جان کے خوف سے بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے ناصرالدین کا خطاب دے کر تمام انتظاماتِ سلطنت محمد کے سپرد کر دیا چونکہ محمد سخت نالائق تھا اس لئے غلاموں میں اس کے طرز عمل سے سخت ہنگامہ بپا ہو گیا۔ فیروز شاہ کو مجبوراً اپنی خلوت سے نکلنا پڑا اور بمشکل اس شورش کو رفع کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔

وفات چند دن بعد ۱۸ رمضان ۷۹۰ھ کو انتقال کر گیا اس کی عمر نوے سال کی تھی اس نے قریب چالیس سال کے حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسن انتظام کے چھوڑ گیا۔ فیروز شاہ، حوض خاص (شمسی) کے پاس مدفون ہوا اس کا مقبرہ اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے[1]

علمی دربار فیروز شاہ تغلق سلطان محمد بن تغلق کی طرح صاحبِ علم و صاحبِ تصنیف تھا۔ فتوحات فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے علم کا بڑا قدردان تھا اس کا دربار علماء و فضلاء شعراء اور دوسرے اصحابِ کمال کا مرجع تھا۔ ضیاء برنی اور عفیف جیسے مورخ اور ادیب مظہر ہندی جیسے شاعر تاتار خاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے

---

[1] ملخص از طبقات اکبری صفحہ ۱۱۲ - ۱۲۱ و تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

Marfat.com

اس کا دربار آراستہ رہتا تھا۔ اس نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے بڑی بڑی مساجد مدارس بنوائے۔ ان کے مصارف کے لئے ہزاروں روپیہ کے اوقاف مقرر کیے۔ اس نے محکمہ تراجم بھی قائم کیا۔ فرشتہ لکھتا ہے :۔

"بادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمودہ۔ ازاں جملہ اعز الدین خالد خانی کہ شعرائے آں کتابے در حکمت طبعی و شگون و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی شام کردہ واطق آں کتابست متضمن اقسام حکمت عملی و علمی" [۱]

فیروز شاہ کے علمی ذوق کا ہی اثر تھا کہ امرائے سلطنت بھی علم سے شغف رکھتے تھے۔ امراء میں سے امیر تاتار خاں تھا جس نے تفسیر کلام پاک کی لکھی جو تفسیر تاتار خانی کے نام سے مشہور ہے اسی طرح اس نے درمختار اور شامی کے مثل ایک فتاوی کی کتاب ترتیب دی جو تین جلدوں میں ہے۔ دہلی کے تمام فتووں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اس کتاب میں درج کیا اور اختلاف والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا اس کا نام فتاوی تاتار خانی رکھا [۲]

فیروز شاہ کے عہد میں طب کو فروغ

سراج عفیف لکھتا ہے :۔ چوں سلطان فیروز شاہ

---

[۱] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۸ و طبقات اکبری صفحہ ۲۳۳۔

[۲] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳۹۲

Marfat.com

بجنا بیں قید ہو کلاں آستانہ شفاخانہ وصحت خانہ برائے
عامہ مریضان بنا فرمودہ واطبائے حاذق وحکمائے صادق
وقدمائے مصدق وجراحان وکحالاں دراں مقام تعین
گردانیدہ وادویہ واطعمہ واشربہ برائے مریضان از
خزانہ مقرر بردہ باب کرم عام بہ شفقت تمام بر خلائق
خاص وعام کشادہ ۔“۱۰

Marfat.com

تغلق شاہ ثانی

امراء نے تغلق شاہ ثانی، فتح خاں کے بیٹے (اور فیروز شاہ کے پوتے) کو بادشاہ (سنہ ۷۹۰ھ) بنا دیا۔[1]

چونکہ یہ ایک بے وقوف نوجوان تھا، اور سوائے لہو و لعب کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا۔ اس لئے امراء اور محل کے غلاموں نے جب اس کی حکومت کو صرف ۶ ماہ اور کچھ دن کا زمانہ گزرا تھا سنہ ۷۹۱ھ میں قتل کر دیا۔

ظفر خاں اس کے بعد ظفر خاں کے بیٹے ابو بکر کو[2] امراء نے تخت نشین کیا۔ رکن الدین چندہ منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔

مگر چونکہ اس کا چچا ناصر الدین محمد جسے فیروز شاہ کے عہد میں غلاموں نے نکال دیا تھا پنجاب میں سامانہ سے نگرکوٹ تک اپنا کافی اقتدار پیدا کر چکا تھا، اس لئے وہ دہلی کی طرف بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد سنہ ۷۹۲ھ / ۱۳۹۰ء میں تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند یہ چار سال تک حکمراں رہا لیکن اس کے زمانۂ حکومت میں ہر جگہ ہندوؤں نے بغاوت شروع کر دی اور جو کچھ اقتدار سلطنت دہلی کا باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔

سلطان محمد کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں (سکندر شاہ کا لقب

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۶۸ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۸ ۔

Marfat.com

اختیار کر کے) ۷۹۵ھ میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ہمایوں کا بھائی محمود ۱۸ سال تک حکمراں رہا۔ لیکن اس شان سے کہ تخت سلطنت کبھی قنوج میں تھا کبھی دہلی میں۔

اور دہلی کا بھی یہ حال تھا کہ ادھر محمود اپنے کو بادشاہ کہتا تھا، اُدھر فیروز آباد میں نصرت شاہ، فتح خاں کا بیٹا حکمرانی کر رہا تھا۔ اس طرح گویا دہلی کے تخت پر دو بادشاہ قابض تھے۔ اور ملک میں حد درجہ بدامنی پھیل رہی تھی۔ الغرض یہ تھا ہندوستان کی سلطنت کا حال جب امیر تیمور صاحبقراں نے ۹۲ ہزار سواروں کی جمعیتہ سے دہلی پر حملہ کیا۔ تیمور کے حملہ کا مفصل حال ظفر نامہ، ملفوظات تیموری اور مطلع السعدین میں درج ہے لیکن ہم یہاں صرف اس کا ایک خاکہ پیش کریں گے، کیونکہ تیمور کا شمار ہندوستان کے بادشاہوں میں نہیں ہے۔ اور اس لئے اسکے حالات سے جداگانہ بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تیمور ہندوستان آنے سے قبل تمام عراق وفارس، افغانستان و ایشیائے کوچک کو زیر نگیں کر چکا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت اس طرف بھی متوجہ ہو، چنانچہ اس نے اپنے فوجی مشیروں کے سامنے ہندوستان کے مسئلہ کو بھی پیش کیا۔ ان سب میں سے بعض نے کہا کہ پانچ دریاؤں کا عبور کرنا، گھنے جنگلوں سے گزرنا، بڑے بڑے راجاؤں کی خونخوار افواج (جو جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح چھپی ہوئی ہے) سے عہدہ برا ہونا، آہن پوش ہاتھیوں کو شکست دینا ایسا آسان کام

Marfat.com

نہیں ہے۔ بعض نے محمود غزنوی کی مثال پیش کی کہ اس نے صرف تیس ہزار سواروں کی مدد سے ہندوستان کو فتح کرلیا تھا۔ اور ہمارے پاس تو ایک لاکھ چار فوج موجود ہے۔ اس کے ساتھ شاہزادہ شاہ رخ (تیمور کے بیٹے) نے بھی ہندوستان کی دولت اور یہاں کے کفر وبت پرستی کا ذکر کرکے جہاد پر آمادہ کیا۔ مخالفین نے پھر ایک دلیل پیش کی کہ اگر وہاں کامیابی ہو بھی گئی ہو تو ہماری نسل کے لوگ جو وہاں حکمران ہوں گے ان میں بعد کو یقیناً اختلاط پیدا ہو جائے گا۔ اور وہاں کی آب وہوا ان کو آرام طلب، عیش پسند اور غیر جنگجو بنا دے گی۔ اس پر تیمور نے کہا کہ میرا مقصد قیام کرنا نہیں ہے۔

اس سے قبل پیر محمد جہانگیر (تیمور کا پوتا) جو کابل کا گورنر تھا تمام حدود افغانستان کو زیر کر کے ہندوستان کے اندر پہونچ چکا تھا، اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

اتفاق سے اس وقت جبکہ تیمور حملۂ ہندوستان کی تیاریاں کر رہا تھا پیر محمد کی تحریر پہونچی جس میں سلطنت دہلی کی بدنظمی طوائف الملوک وغیرہ کا مفصل حال درج تھا۔

اس تحریر کو دیکھتے ہی تیمور نے رجب ۸۰۰ھ مارچ ۱۳۹۸ء میں اپنے دار السلطنت سمرقند سے ہندوستان کی طرف کوچ کر دیا۔ اور ۸ محرم کو سرحد کی سنگلاخ زمینوں، کوہستانوں کی چوٹیوں اور وادیوں کو طے کرتا ہوا اس دریائے سندھ پر پہونچ گیا جسے جلال الدین خوا

نے چنگیز خاں تیمور کے مورث اعلیٰ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر عبور کیا تھا یہاں پہونچ کر اس نے کشتیوں کا ایک پُل دو دن کے اندر تیار کرایا اور ۱۲ محرم کو دریا سے عبور کر کے اپنے پوتے پیر محمد سے مل گیا جس نے اب ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔

پنجاب کی حالت اس وقت یہ تھی کہ تیموری حملہ کی داستانیں عام ہو گئی تھیں۔ اور دیپال پور کے لوگ بھاگ کر بھٹنیر کے قلعہ میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور بھٹنیر پہونچا اور وہاں قتل عام کر کے آگے بڑھا اب فتح آباد بھی ویران تھا۔ سرستی کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ اور تیمور جس طرف سے گزرتا تھا نصرت و کامیابی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ آخر کار ۲۴ ربیع الاول کو پانی پت کے مشہور میدان میں پہونچ گیا۔ یہاں کوئی اس کا مقابل نہ تھا اس لئے وہ آگے بڑھا اور ۷ ربیع الثانی کو دہلی پہونچ گیا جہاں محمود شاہ کی فوج اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھی۔

امیر تیمور نے اپنی فوج اس طرح مرتب کی کہ پیر محمد اور امیر یادگار وغیرہ کو میمنہ سپرد کیا۔ سلطان حسین اور خلیل سلطان وغیرہ کو میسرہ میں رکھا اور خود قلب میں رہا۔

محمود شاہ کی فوج میں بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ علاوہ اس کے ۱۲۰ ہاتھی بھی تھے یہ بالکل آہن پوش تھے۔ اور ان کے دانتوں میں زہریلی کٹاریں لگی ہوئی تھیں۔ اور ان کے اوپر ہودوں میں تیر انداز

اور آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور جب فوج کی ترتیب سے فارغ ہو گیا تو اس نے ایک بلندی پر چڑھ کر فوج کے مواقع دیکھ کر اپنی فتح کے لئے دعا مانگی اور پھر حملہ کا حکم دیا۔ تیمور کی میمنہ نے ہندی فوج کی میسرہ پر تیروں کی بارش شروع کی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی طرح ترکیوں کے میسرہ نے دہلی فوج کے میمنہ کو پسپا کر دیا۔ قلب میں چونکہ اقبال خاں اور خود محمود شاہ موجود تھے اسی لئے اس حصے نے تھوڑی دیر سخت مقابلہ کیا۔ مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہاں سے بھی رات کو چھپ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

۸ ربیع الثانی کو فتح کے بعد تیمور نے حوض خاص پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ تمام امراء و اراکین حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ اور علماء و فضلاء بھی آئے جن کی خواہش کے مطابق اس نے قتل عام کا حکم نہیں دیا۔ اور زر فدیہ لے کر سب کو امان دینے کا وعدہ کر لیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جشن فتح مندی شروع ہو گیا۔

ایک ہفتہ بعد ۱۶ ربیع الثانی کو زر فدیہ کی وصولی میں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کچھ سختی ہوئی تو اس پر لوگوں میں کچھ ہنگامہ ہوا حتیٰ کہ تیموری فوج جو پہلے ہی سے غارت گری کے لئے کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی برہم ہو کر لوٹ مار پر آمادہ ہو گئی۔ تیمور نے بہت کوشش کی کہ خونریزی نہ ہو لیکن وہ اپنی فوج کے بڑھتے ہوئے جوش کو نہ روک سکا۔ اور پھر مسلسل ۱۹

Marfat.com

ربیع الثانی تک سوائے ان مقامات کے جہاں علماء و فقہاء وغیرہ رہتے تھے۔ سری جہاں پناہ اور دہلی کہنہ خون ریزی اور غارت گری کا نہایت ہولناک منظر بنے رہے۔ اس لوٹ میں اس قدر زر و جواہر نقرئی و طلائی برتن، زیورات اور قیمتی کپڑے ہاتھ آئے کہ شاید اس سے قبل کبھی تیموری فوج کو نصیب نہ ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر شخص کو بیس سے لے کر ایک سو غلام تقسیم ہوئے۔ تیمور نے دہلی کے بہت سے پیشہ ور دستکار اور حرفہ جاننے والے لوگوں کو سمرقند روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان فنون کی تعلیم دی جائے۔

تیمور کو پندرہ دن دہلی میں قیام کئے ہوئے ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ یہاں ٹھہرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا مقصود تو صرف جہاد تھا اس لئے وہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو دہلی سے روانہ ہوا۔ اور قلعہ فیروز آباد میں نماز پڑھ کر میرٹھ گیا۔ اس کو تباہ و برباد کر کے ہردوار پہونچا اور یہاں بھی اسے فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد دریائے گنگ کو عبور کر کے مسوری کے نیچے کوہ سوالک میں نشانات فتح چھوڑتا ہوا اس نے نگر کوٹ اور جموں کو فتح کیا اور ۱۹ جمادی الآخر کو افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا[۱]

خدا کا قہر ختم ہو چکا تھا۔ اور اب لوگ اپنی پوشیدہ جگہوں سے نکلنے شروع ہو گئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اب تک

---

[۱] تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند۔

Marfat.com

وہی تھی۔ اور ہر جگہ قحط و تباہی رونما تھی۔ جب تیمور نے اس کو چھوڑ دیا اقبال خاں نے نصرت شاہ کو الگ کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا اور اٹاوہ و گوالیار وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو جو خود مختار ہو گئے تھے زیر کرنے کی سخت کوشش کی۔

محمود شاہ نے قنوج میں اپنی حکومت قائم کی اور ۸۰۸ھ میں اقبال خاں، خضر خاں گورنر ملتان کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اس کے بعد ۶-۷ سال تک پھر وہی طوائف الملوکی، گورنروں کی باہم خونریزی جاری رہی۔ یہاں تک کہ جب محمود شاہ نے ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں انتقال کیا تو تخت پر بیٹھنے کے لئے کوئی نام کا بھی فرمانروا موجود نہ تھا۔ آخر کار لوگوں نے امیر دولت خاں لودی کو فرمانروا بنا دیا۔ لیکن اس نے کبھی اپنے کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ چند ماہ بعد خضر خاں (گورنر دیبل پور) نے دہلی کا محاصرہ کیا اور ۸ ربیع الاوّل ۸۱۷ھ (۲۳ مئی ۱۴۱۴ء) کو دولت خاں نے قلعہ کی کنجی اس کے سپرد کر دیا جس سے حکومت ہندوستان، سید خاندان میں منتقل ہو گئی[1]۔

محمود شاہ کے عہد کا مشہور شاعر قاضی ظہیر دہلوی تھا جو صاحب دیوان ہے۔ اس نے محمود شاہ کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ملا بدایونی کا بیان ہے کہ قاضی ظہیر کے بعد کوئی شاعر اس پائے کا نہیں گزرا۔

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

سیّد خاندان

٨١٧ھ / ١٤١٤ء = ٨٥٥ھ / ١٤٥١ء

خضر خاں، ملک الشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا "ناصر الملک مردان
ولد (گورنر ملتان) کا متبنے فرزند تھا اس کے مرنے پر ملک شیخ اس کا بیٹا
نشین ہوا، لیکن قضا نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا، اسلئے
وزشاہ ملک سلیمان کو اقطاع ملتان کا مالک بنا دیا، مگر یہ بھی چند روز
ندہ رہا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا خضر خاں یہاں کا فرمانروا مقرر
یا گیا[1] چونکہ ملک سلیمان سید تھا اور خضر خاں اس کا بیٹا تھا، اس لئے
و عہد حکومت، خضر خاں سے شروع ہوتا ہے، اسے سید خاندان کی
سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خضر خاں کو کسی مورخ نے سلطان کے لقب
سے یاد نہیں کیا، مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو "بندہ رایت
عالی" اور تخت نشینی سے پہلے "مسند عالی" لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں
رایت عالی درج ہے اور ملا بدایونی نے مسند عالی تحریر کیا ہے۔ فرشتہ
نے صرف "سید خضر خاں" کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خضر خاں
نے باوجود تخت نشین ہو جانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور
کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ٧٥ مطبوعہ نولکشور

Marfat.com

تصنیف میں صرف اس بیان پر کفایت کی ہے کہ "اسم بادشاہی برخود تجویز نہ کرد و رایات اعلیٰ خطاب یافت"[1]

سکّہ

خضر خاں نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کیا چونکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جانے کی آرزو نہ رکھتا تھا اسے اس کو پرواہ نہ ہو سکتی تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے۔ البتہ وہ سنہ ضرور درج کرتا تھا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں شخص کے عہد حکومت میں یہ سکہ مضروب ہوا۔

خضر خاں سب سے پہلے تاریخ ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہوا[2]۔ جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے بعد حکومت میں طوائف الملوکی ہو گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خاں ملا اقبال خاں کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کر کے اس کو قید کر لیا (۷۹۸ھ) اس کے بعد خضر خاں کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا۔ اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء میں دولت خاں لودھی کو زیر کر کے دہلی پر قبضہ حاصل کیا۔

اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار پھر قائم ہو جائے لیکن وہ اس میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا کہ قرب و جوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہو گئے

---

۱ و ۲ منتخب التواریخ صفحہ ۷۵

لیکن بغاوت و شورش بدستور باقی رہی اور جو اجزاء سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہو سکے۔

۸۱۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بدایوں اور کٹیہر کی طرف روانہ کیا یہاں کا راجہ ہر سنگھ کوہستان آنولہ میں بھاگ گیا۔ اور پھر مطیع ہو گیا اسی طرح حیات خاں امیر بدایونی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کر کے شمس آباد اور کمپل (کملا) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا لیکن چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی اسلئے پھر شورش و انحراف کی شکایت رہی اور ۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور گوالیار جانا پڑا خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیار گیا قلعہ تو فتح نہ ہوا۔ لیکن وہاں کے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کیا۔

۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء میں ملک طغانی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں حاکم سمانہ کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغانی نے اطاعت قبول کی اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا۔

۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء میں راجہ کیتھر نے بغاوت کی۔ تاج الملک نے اسے زیر کیا اور اٹاوہ کو تاخت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۸۲۲ھ میں خود

Marfat.com

خضر خاں کو کیتھر کی طرف جانا پڑا۔ اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بدایوں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں قلعہ بند ہو گیا خضر خاں نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کو سارنگ خاں کہتا ہے خروج کر کے اقطاع جالندھر میں شورش برپا کر رکھی ہے بمشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرو ہوا۔

۸۲۴ھ / ۱۴۲۱ء میں خضر خاں نے میوات کو زیر کیا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا یہاں سے خراج لے کر اٹاوہ پہونچا اور یہیں بیمار ہو گیا[۱] چنانچہ اسی حال میں دہلی واپس آیا۔ اور ۱۷ رجمادی الاول ۸۲۴ھ مئی ۱۴۲۱ء کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے چار ماہ قبل محرم میں ہو چکا تھا

آثار الصنادید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء میں دریا کے کنارے ایک شہر بھی آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ و محلات تعمیر کرائے تھے لیکن اب اس قلعہ کا پتہ نہیں ہے ممکن ہے کہ اب جس موضع کا نام خضر آباد ہے وہی جگہ خضر خاں کا آباد کیا ہوا شہر ہو۔

خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر دیا تھا چنانچہ وہ ۱۹ رجمادی الاول ۸۲۴ھ کو (یعنی وفات خضر خاں کے تین دن بعد) تخت نشین ہوا۔

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۲۷۔

اسی سال شیخا کھوکر کے بھائی جسرت اور طغار نیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ لاہور بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس لئے چنداں قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۸۲۶ھ/۱۴۲۳ء میں کیتھیر (روہیلکھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اسی سال بیانہ میں بدامنی پھیلی اور مبارک شاہ نے اُسے فرو کیا۔

۸۲۹ھ/۱۴۲۵ء میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور مبارک شاہ سے برہان آباد ضلع اٹاوہ کے میدان میں جنگ ہوئی، لیکن ابراہیم شاہ شرقی جونپور خائف ہو کر چلا گیا اور ۸۳۱ھ/۱۴۲۸ء میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۸۳۳ھ/۱۴۳۰-۲۹ء میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار رجب ۸۳۷ھ/۱۴۳۳ء میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا، فولاد غلام مارا گیا اور بمشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔

مبارک شاہ اپنی خصائل کے لحاظ سے نیک طینت اور کریم النفس شخص تھا، وہ اکثر و بیشتر خود اپنی فوج کے ساتھ جا کر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آ رہی

Marfat.com

تھی وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی جونپور اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت قائم ہو چکی تھی ۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہونچائی جس قدر اقطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خاں سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خاں لودی کے خلاف روانہ ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پایہ تخت پہلے ہی ہندوستان میں اپنا اقتدار کھو چکا تھا ۔ اور تیمور کے حملہ نے تو ایسی کاری ضرب لگائی کہ گجپتی بادشاہوں کی جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں مرتسم تھی وہ دفعتہً زائل ہو گئی ۔

کیتھر کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ۔ دہلی کے جنوب میں جو ایک حصۂ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیردار راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا ۔ اس نے سر اٹھایا ۔ مبارک شاہ نے ان کو دبایا اخراج وصول کیا ۔ عارضی طور سے وہ مطیع ہو گئے اور پھر سرکشی اختیار کی الغرض یہی مار و جزر قائم رہا ۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے کھکروں یا کوکروں سے پہونچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی اور ان تاتاری حملوں سے جو شاہ رخ کے گورنر کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا ۔

مبارک شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سردار الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا ۔ تاریخ وفات

Marfat.com

مصنف مبارک شاہی نے ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ جنوری ۱۴۳۴ء) تحریر کی ہے۔

مبارک شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مکار وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو خضر خاں کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مبارک شاہ کا متبنیٰ فرزند تھا تخت نشین کر دیا۔ اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے خزانہ و جیل خانہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیوں کو (جن میں سدہ پال اور سدھارن کھتری قاتلِ مبارک شاہ بھی شامل تھے) تقسیم کیں اور امرار مبارک شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا) کی دغابازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہو گیا تھا اس لئے ان امرار نے جو خضر خاں کے ممنون تھے (مثلاً الہ داد، کاکا لودی، امیر سنبھل، ابار بیا حاکم بدایوں، امیر علی گجراتی، امیر کمبل ترک بچہ) سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امرار کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ انہیں میں ایک کمال الملک بھی تھا جو دربردہ سرور الملک کا سخت دشمن تھا اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہونچے تو کمال الملک کے ساتھی امرار کو معلوم ہوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انہوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع کی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کرنا چاہا

Marfat.com

تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور اسی اثنا میں کمال الملک نے ملک الہ داد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رخ کیا اور قلعہ سری کو محصور کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قائم رہا۔ بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے اسلئے اس نے سرور الملک کو جبکہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرتناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تئیں خود مختار بادشاہ سمجھا اس کے بعد ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گھکڑوں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی لیکن پھر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر وہی بدامنی شروع ہو گئی اور قرب و جوار کے خود مختار فرمانرواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرقی (جونپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرمانروا محمود خلجی کی جرأت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (لیکن حقیقتاً وہاں کا حکمراں) تھا اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب دیا۔ ہرچند

Marfat.com

اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

محمد شاہ بن فرید خان ۸۴۹ھ میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد تمام امراء نے سوائے بہلول لودی کے علاؤالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے دہلی کا حکمران تسلیم کیا۔ لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت و اطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے اس وقت سلطنت دہلی کی تفریق و انتشار کی یہ حالت تھی کہ۔

(۱) دکن، گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال، کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے۔ اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ انہوں نے جاری کر رکھا تھا۔

(۲) پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیبل پور، اور سرہند تک بہلول لودی کی حکومت تھی۔

(۳) مہرولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خاں میواتی قابض تھا۔

(۴) سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودی کی فرمانروائی تھی۔

(۵) کمپلا اور پٹیالی میں، پرتاب سنگھ کی حکومت تھی۔

(۶) بیانہ میں داؤد خاں لودی کا تصرف تھا۔

(۷) گوالیار و دھولپور وغیرہ میں جدا جدا راجہ فرمانروا تھے۔

(۸) راپری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمراں تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودی میں لکھا ہے کہ اس وقت علاؤالدین

Marfat.com

کی سلطنت کے متعلق عام طور سے یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ "بادشاہی شاہ عالم۔ از دہلی تا پالم" الغرض سلطنت دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ طرہ ہوا کہ بادشاہ کو بدایوں کی آب و ہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی۔ اور دارالحکومت اس کو بنانا چاہا ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دو بار بہلول لودی حملہ کر چکا تھا۔ (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاؤالدین کی تھی۔ دوسری حماقت یہ ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر حمید خاں کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدایوں سے بھاگ کر دہلی آ گیا۔ اس نے علاؤالدین سے انتقام لینے کے لئے بہلول لودی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی یہ پہلے ہی سے تیار تھا فوراً دہلی آ گیا اور قبضہ کر لیا۔

لیکن علاؤالدین کا نام خطبہ اور سکہ میں بدستور جاری رکھا۔ بعد کو جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خاں کو قید کر کے علاؤالدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خطبہ سے علاؤالدین کا نام خارج کرا دیا اور چتر شاہی سر پر

Marfat.com

رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔"

علاؤالدین بدایوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدایون ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سید خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بہلول لودی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آنے لگا جسے خاندانِ لودی کہتے ہیں[1]۔

---

[1] یہ بیان فرشتہ کا ہے۔ بدایونی اور طبقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے (اسلامی ہند)۔

لودی خاندان

(۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء = ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء)

فرشتہ نے بہلول کے خاندانی حالات کی صراحت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ لودی، افغانوں کی ایک جماعت تھی جو ہندوستان میں بہ سلسلہ تجارت آمدرفت رکھتی تھی۔ بہلول کا دادا ملک بہرام، فیروز شاہ کے عہد میں ملتان آیا۔ اور یہاں کے حاکم مردان دولت کا ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے ملک سلطان شہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد ملک خواجہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جب ملتان کا حاکم خضر خاں ہوا تو ملک شہ اس کا ملازم ہو گیا اس نے خضر خاں کی طرف سے ملو اقبال سے جنگ کی اور اس کو قتل کر دیا۔ اس صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دیکر سرہند کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

ملک شہ کا بڑا بھائی ملک کالا، جو دورالہ کا حاکم تھا، ایک جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی، وضع کے دن قریب تھے کہ اتفاق سے ایک مکان کی چھت گر پڑی۔ وہ تو مر گئی لیکن جنین زندہ رہا جو اس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی تھا وہ یتیم فرزند (ملوجی) جس کی قسمت میں آئندہ بہلول لودی ہونا لکھا تھا۔

Marfat.com

اس بچہ کی تربیت اس کے چچا اسلام خاں نے کی، جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں اس کی خدمات سے اسقدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی اس سے منسوب کردی اور اپنے بعد اس کو جانشین کر گیا۔ اسلام خاں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بارہ ہزار افغانی سپاہیوں کو وہ اپنے پاس سے تنخواہ دیتا تھا، ہر چند اسلام خاں کے بعد اس کے بھائی (ملک فیروز) اور بیٹے (قطب خاں) نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے ور بہلول کا اقتدار بڑھتا گیا[1]

یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بہلول لودی سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے بیتاب تھا، اور متواتر حملے بھی اس نے کئے تھے چنانچہ جب حمید خاں وزیر نے اس کو بلایا تو وہ فوراً چلا گیا اور وہاں حمید خاں کو قید کر کے ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

بہلول لودی کو سلطنت دہلی جس حال میں ملی تھی اس کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح تمام صوبے خود مختار ہو گئے تھے اور حکومت دہلی گویا صرف شہر دہلی سے تعبیر کی جاتی تھی لیکن باوجود اس بدامنی و انتشار کے بہلول لودی نے جس قابلیت اور عزم و ثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا، وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودی نے ۳۸ سال تک حکومت کی اور اس طویل زمانہ

---

[1] فرشتہ صفحہ ۱۷۳

Marfat.com

ہیں ایک بار بھی اس نے کسی ایسے طرزِ عمل کو پیش نہیں کیا جو شاہانہ عزائم
و ملوکانہ خصائل کے منافی ہوتا۔

تخت نشین ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ
کی اور دہلی کا انتظام اپنے بیٹے بایزید اور دیگر امراء کے سپرد کر کے دیبل
کی طرف روانہ ہوا۔ محمود شاہ فرمانروائے جونپور نے اس فرصت کو
غنیمت جان کر اپنی بیوی کے اصرار سے (جو علاؤالدین، سید خاندان
کے آخری حکمراں کی بیٹی تھی) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول یہ خبر سن کر پنجاب
سے دہلی آیا اور افغانوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ اطرافِ پنجاب
سے فراہم کر لایا۔ ہر چند اس مقابلہ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور
وہ جونپور چلا گیا۔ لیکن بعد کو مسلسل ۲۶ سال تک بہلول لودی اور
فرمانروایان جونپور کے درمیان آتشِ جنگ مشتعل رہی اور آخر کار بہلول
لودی نے ۸۹۳ھ[1] ۱۴۷۸ء میں سلطنت جونپور کی جداگانہ ہستی کو ہمیشہ کے
لئے مٹا کر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ اور حسین شاہ شرقی کو (جو سلطنت
جونپور کا آخری فرمانروا تھا) ایسی سخت شکست دی کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکا
ہر چند جونپور کے لئے اسے بہت کوشش کرنی پڑی اور تمام
وقت اسی میں صرف ہو گیا، لیکن وہ سلطنت کے دیگر اقطاع سے بھی
غافل نہیں رہا۔ اس نے تمام ملک کا دورہ کیا اور اپنے حسنِ تدبیر سے
سلطنت دہلی میں پھر وسعت پیدا کر دی۔ میوات جا کر اس نے احمد خاں

---

[1] بدایونی ۸۸۴ھ تحریر کرتا ہے۔

حاکمِ میوات کو اطاعت پر مجبور کیا اور سات پرگنے اس سے نکال کر دہلی میں شامل کر لئے۔ اسی طرح بلند شہر میں جاکر دریا خاں لودی حاکمِ سنبھل سے سات پرگنے لے لئے، یہاں سے فارغ ہو کر سلطان کول میں آیا اور عیسےٰ خاں سابق حاکم کو اپنی جگہ بحال کر کے برہان آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ پھر راجہ پرتاب سنگھ کو زیر کر کے صرف بھوگاؤں اس کی جاگیر میں رکھا اور باقی سب مقامات سلطنت دہلی میں شامل کر لئے۔ یہاں سے چل کر قلعہ رابری اور جیندوار کو فتح کیا اور اٹاوہ کے حاکم کو بھی مطیع بنا لیا۔

علاوہ اس کے حسب روایت تاریخ سلاطین افاغنہ اس نے رانا اودے پور کو بھی شکست دے کر تمام اقطاع اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ اور سنہ عہ میں احمد خاں کو شکست دے کر حدودِ سلطنت کوہان تک وسیع کر لیا۔

الغرض ۳۸ سال کے اندر بہلول لودی نے، کٹرہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی، بدایوں، دوآبہ کا تمام حصہ، اٹاوہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات، کول، (علی گڑھ) برہان آباد کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ اور پنجاب میں بھی وہی اقتدار قائم کر دیا جو اس سے قبل کسی وقت پایا جاتا تھا۔

یقیناً یہ امر حیرت ناک معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مردہ سلطنت میں کیونکر بہلول لودی پھر نئی روح پھونک سکا، لیکن اس کا جواب صرف

Marfat.com

اس کے خصائل کے بیان سے دیا جا سکتا ہے جنہیں صاحب تاریخ داؤدی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہلول لودی مذہب کا سخت پابند اور بے انتہا سخی و شجاع بادشاہ تھا۔ رحم و رافت اس کی فطرت تھی اور احکام شرع کی پابندی اس کا تنہا نصب العین۔ وہ اکثر علماء و مشائخ کو اپنی صحبت میں رکھتا اور غربا و مساکین کے حالات ہمیشہ تحقیق کرتا رہتا۔ اس نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔

وہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا۔ اور لوگوں کی شکایتیں خود سن کر فیصلہ کیا کرتا تھا۔ وہ بے انتہا دانشمند تھا اور حد درجہ غور و تامل لطف و مہربانی سے کام لے کر انصاف کرتا تھا۔ (جو کچھ اسباب وغیرہ) اسے ملتا وہ سب فوج کو تقسیم کر دیتا تھا۔ اور خود صرف خشک روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستانہ صحبتوں میں وہ کبھی تخت پر نہ بیٹھتا اور نہ رؤساء کو اپنے سامنے کھڑا رہنے دیتا۔ وہ سب کو اپنے برابر جگہ دیتا اور اگر کوئی امیر ناراض ہو جاتا تو اس کے خوش کرنے کے لئے بعض اوقات یہاں تک ایثار سے کام لیتا کہ اس کے قدموں پر پگڑی تک ڈال دیتا۔

اسکی تخت نشینی سے پہلے دہلی کے پٹھانوں میں یہ رسم تھی کہ مردے کے سوم میں مٹھائی، شربت اور پان وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اس رسم کو بالکل ممنوع قرار دیا کیونکہ اس رسم میں فضول مصارف ہوتے تھے۔

اس کے ضبط کی عجیب و غریب شان وہ تھی جب ایک دن جامع مسجد

کے اندر ایک ملا نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو صاف طور پر ذریات شیطان سے تعبیر کیا اور اس نے ہنسکر صرف یہ کہا کہ "ملا صاحب ہم سب بندگان خدا ہیں"۔ تعمیرات کا بھی اسے شوق تھا، لیکن اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ تاہم اگر یہ جدید تحقیق صحیح ہے کہ آگرہ کی بنیاد اس نے رکھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے بھی اس نے اپنے کو غیر فانی بنا دیا۔ لیکن تمام مورخین آگرہ کی بنیاد سکندر لودی سے منسوب کرتے ہیں۔

مآثر رحیمی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے متعدد مدارس بھی قائم کئے۔ بہلولی سکہ جو پیسہ کے قائم مقام رائج ہوا اسی کی یادگار رہے۔

اٹاوہ کی مہم سے فارغ ہوکر دہلی آرہا تھا کہ راستہ میں بیمار ہوا اور بھداولی (ضلع سیکت) میں پہونچ کر ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں مرگیا[۱] اس نے ۳۸ سال ۸ ماہ ۸ روز حکومت کی۔

بہلول لودی نے اپنی وفات سے پہلے ہی نظام خاں کو اپنا جانشین نامزد کردیا تھا، اس لئے وہ تھوڑی سی مخالفت کے بعد سلطان سکندر کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوگیا۔

---

[۱] منتخب صفحہ ۸۳۔

Marfat.com

سلطان سکندر بن سلطان سکندر

سنہ ٨٩٤-٩٢٣ھ

جب سلطان بہلول نے ٨٨٣ھ / ١٤٧٨ء میں ملک کے مختلف صوبوں
پر گورنروں کا تقرر کیا تو اسی سلسلہ میں جونپور کی حکومت اپنے بیٹے
باربک کو سپرد کردی تھی۔

جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی (باربک) سے کہا
کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے لیکن باربک نے انکار کیا۔ مجبوراً سکند
کو اس کے خلاف فوج بھیجنی پڑی اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد بھی
بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔

سکندر کا سارا عہدِ حکومت باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی میں
صرف ہوگیا۔ ان میں بیانہ، جونپور، اور اودھ کی مہمیں خاص طور سے
اہمیت رکھتی ہیں۔ جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیانہ کے
قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا اور جونپور و اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح فرو
کردی گئیں۔

٨٩٧ھ / ١٤٩١ء میں سکندر نے سلطان حسین کو (جو جونپور کی سلطن
کا آخری فرمانروا اور بہ حمایت علاؤالدین شاہ بنگال نہاس پناہ گز
تھا) مفتوح و معزول کر کے بہار تک اپنی سلطنت وسیع کرلی اور سلطا

Marfat.com

علاؤالدین فرمانروائے بنگال سے حدودِ سلطنت وحقوق حکمرانی کے متعلق باہمی مفاہمت ہوگئی۔

علاوہ اس کے دھول پور، چندیری اور گوالیار کے راجپوتوں نے بھی اسکی اطاعت اختیار کرلی اور تمام پنجاب، دوآبہ، جونپور، اودھ، بہار، ترہت اور ملک مابین ستلج وبندیلکھنڈ اس کے قبضہ میں آگیا۔

محمد تغلق اور فیروز شاہ کے بعد جو تفریق سلطنت دہلی کے تمام اجزاء میں پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا حال آپ کو علاؤالدین بن محمد شاہ سید خاندان کے آخری فرمانروا کے ذکر کے سلسلہ میں معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ پھر یہ تمام اجزاء یکجا ہو جائیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان بہلول لودی نے اپنے عزم وثبات ودیگر ملوکانہ خصائل سے دہلی کی مردہ سلطنت میں از سرِ نو جان ڈالنی شروع کی اور سکندر کے عہد میں قریب قریب وہی اقتدار پھر قائم ہوگیا، جو اس سے قبل کسی وقت عہد تغلق میں پایا جاتا تھا۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ بہلول لودی کے تمام خصائل مع شیئے زائد اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ اور اس نے اپنی محنت وجانفشانی، انصاف، بیدار مغزی، اخلاق وعادات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا تمام ماحول متاثر ہوگیا۔ اور اس کے علاوہ صفات کے سامنے تمام قوتیں جو سلطنت سے منحرف ہوگئی تھیں جھک گئیں۔

سلطان سکندر کے تمام فتوحات، نہایت شرح وبسط کے ساتھ

Marfat.com

تمام کتب تاریخ میں درج کئے گئے ہیں لیکن ہم ان کی تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہوئے، صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے سکندر کے خصائل و عادات آئین عدل و حکمرانی، تہذیب و شائستگی، علم پروری و ہنر شناسی کو ذرا واضح طور پر دکھانا چاہتے ہیں جو حقیقی اسباب تھے اس کی کامیابی کے۔

سلطان سکندر اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے جسقدر حسین و جمیل[۱] تھا اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا۔ اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی فطرت نہایت سلیم اور اس کی طبیعت رافت و عطوفت کی طرف ازبس مائل تھی۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اور بندگان خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

جیسا وہ شجاع تھا ویسا ہی عادل بھی تھا انتظام سلطنت، تصفیہ معاملات میں وہ ہندو مسلمان، قوی و ضعیف کو برابر سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ سر مو انصاف سے احتراز نہ ہو۔

بادشاہ ضبط اوقات کا بے انتہا پابند تھا۔ اور جو معمول اس نے اپنے یا کسی اور کے لئے مقرر کر دیا اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نماز ظہر ادا کر کے مجلس علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرم سرا میں جاتا۔ اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں

---

[۱] مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے کہ اسکے حسن کا یہ عالم تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا متحیر رہ جاتا۔

لوگوں کے استغاثے سنتا۔ امور سلطنت کی اصلاح کرتا۔ فرامین تحریر کرتا اور سلاطین ہم عصر کے نام خطوط لکھتا۔ رات کو بہت کم سوتا۔ بڑے جید اور زبردست سترہ عالم خلوت خاص میں اس کے پاس رہتے۔ اور نصف شب تک مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا اسکے بعد کھانا چنا جاتا۔ اس کی ساری عمر گزر گئی لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہوا۔

اس کی وضع داری اور پختگی انتظام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایکبار گرمی کے موسم میں شیخ عبدالغنی جونپوری بادشاہ سے ملنے آئے ان کیلئے جو کھانا آیا اس میں موسم گرما کی وجہ سے شربت کے شیشے بھی موجود تھے اس کے بعد اتفاق سے شیخ صاحب جاڑوں میں آئے لیکن شربت کے قرابے اب بھی پیش کئے گئے ایک بار وہ جس طرح ایک آدمی سے ملتا پھر عمر گزر جاتی اسی طرح پیش آتا اور اس میں سر مو تفاوت نہ ہوتا۔

اس کی عدالت و بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ متدین شخص سلطنت کا اپنی جگہ پر مطمئن اور ہر خائن شخص ہر وقت لرزاں رہتا تھا۔ اس طرح اس کی دیانت و سیر چشمی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دنیا کی ساری دولت اس کے سامنے رکھدی جاتی تو وہ خلاف احکام مذہب اسپر نگاہ نہ کرتا۔

جب لشکر کو وہ کسی پر روانہ کرتا تو روزانہ دو فرمان لشکر کے نام پہونچتے ایک نماز صبح کے وقت جس میں اور ہدایتیں درج ہوتیں سرایوں میں گھوڑوں کی ڈاک ہر وقت تیار رہتی اگر لشکر ۵۰۰ کوس پر بھی ہوتا تو بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔

Marfat.com

روز اس کے سامنے کل اشیاء کا نرخ نامہ اور سلطنت کے تمام حالات واقعات رپورٹ پیش ہوتی۔ اور وہ فوراً تحقیقات کا حکم دیتا اگر کوئی نامناسب بات اسے نظر آتی۔ یہی انتظام تھا کہ اس کے عہد میں غلہ اور تمام زندگی کے ضروری چیزیں بہت ارزاں تھے اور قلیل آمدنی رکھنے والا بھی فراغت سے زندگی بسر کرتا تھا۔

اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے تھے اور جاسوس متعین تھے جو عدالت کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ تک پہونچاتے تھے۔ دربا خاں وکیل کو حکم دیا تھا کہ عدالت کے اندر پہر رات گئے تک بیٹھا رہے، کیونکہ ممکن ہے اس وقت کوئی مستغیث آجائے علاوہ اسکے وہ بعض اہم مقدمات کی خود تحقیقات کرتا اور سلطنت کے انتظام پر آپ توجہ کرکے آئین مقرر کرتا اور رعایا کے امن وسکون کی تدابیر ہر وقت سوچتا رہتا اس غرض کے لئے اس نے کثرت سے مخبر و جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رعایا و حکام کے تمام حالات اس تک پہونچاتے تھے اور یہ انتظام اس قدر مکمل تھا کہ بسا اوقات لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کے قابو میں کوئی جن ہے جو تمام باتوں سے آگاہ کردیتا ہے[1]

وہ انصاف کرنے میں حد درجہ کاوش کرتا اور خاص فراست و دانائی سے کام لے کر حقیقت تک پہونچتا چنانچہ صاحب طبقات اکبری نے ایک دفعہ بیان کیا ہے کہ :۔

---

[1] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۱

"گوالیار کے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے مفلسی سے تنگ آ کر فوج میں شامل ہو گئے ایک لڑائی میں انہیں غارت کے سلسلہ میں دو لعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا اور دوسرا اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دیدینا جب یہ گوالیار واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دیدیں لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے استفسار کیا اس نے انکار کیا الغرض یہ معاملہ میاں بھوراؔ[1] تک پہونچا جو دربار سکندر لودی کے امراء گیار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دئے، اور میاں بھوراؔ نے ان گواہوں پر اعتبار کر کے فیصلہ کر دیا کہ "لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہیے" یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہونچی بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اس نے سوچ کر گواہوں سے

---

[1] اس نام میں اختلاف ہے بعض مورخین نے بھوہ اور بعض نے بھورا لکھا ہے

پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا ہے تو
تم نے اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے دیکھا
تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا۔ اور
کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعہ
سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بنایا ہوا نمونہ
دوسرے کے نمونہ سے بالکل مختلف تھا۔ اور لعل کی ہیئت و
صورت سے کوئی مناسبت نہ تھی بادشاہ نے گواہوں کو
دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا جس سے حقیقت
واضح ہوگئی۔[۱]

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت
نہ کرتا۔ ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیردار نے
اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو تحقیقات کا حکم
دیا۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسے نزاعات پیش آگئے کہ دو ماہ تک فیصلہ
نہ ہوسکا۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو بلا کر کہا کیوں ابتک فیصلہ نہیں
ہوسکا؟ آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے جب تک یہ
معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے تک بیٹھے رہے اور
اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا
بادشاہ نے میاں ملک جاگیر کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم نے میرے خلاف حکم

---

[۱] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۲، فرشتہ صفحہ ۱۸۹

ظلم کیا اور وظائف و املاک کی زمین تم نے کیوں چھینی ۔ میاں ملک نے منفعل ہو کر اعتراف جرم کیا ۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعتراف جرم کرا کے نادم کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی ۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا ۔ ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۵۰۰ اشرفیوں کا دفینہ مل گیا لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا ۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دفینہ پانے والے کو واپس دیا جائے ۔ حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ شخص مستحق نہیں ہے ۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ "اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دفینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے ۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا ۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے ۔

اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت بڑا دفینہ برآمد ہوا اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی ۔ علی خاں حاکم لاہور و دیپالپور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفینہ میرے حدودِ حکومت کے اندر سے برآمد ہوا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو ۔ شیخ نے انکار کیا ۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ "اجودھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے" ۔ بادشاہ نے اسکے

Marfat.com

جواب میں صرف یہ لکھدیا کہ :۔ "تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو"

اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کر دئے اور کہا کہ :۔

"تمہیں رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے"

یہ واقعہ تاریخ سلاطین افاغنہ اور واقعات مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کر دیتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔

ایک بار اس نے ملک بدر الدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کر کے ایک پرگنہ تفویض کر دیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہو گئی اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "زائد دو لاکھ کی بابتہ کیا حکم ہوتا ہے" بادشاہ نے کہا کہ "تم رکھ لو" دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہو گئی اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا "جاگیر تمہاری ہے اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو؟"[۱]

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیردار بھی ایسے ہی دیانت دار و امین تھے۔

---

[۱] تاریخ داؤدی (ایسٹ) ص ۲۷ ۔ ۴۵۴

Marfat.com

جاگیر مقرر کرنے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیردار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا لیکن اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

وہ حرص و طمع کے جذبات سے بالکل ناواقف تھا اور ہمیشہ جرموں میں جن کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے ہوتا بہت نرمی سے کام لیتا۔ جشن عید اور ۱۲ ربیع الاول[1] کو قیدیوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی جاتی اور بقایائے مالگذاری کے سبب سے جتنے لوگ قید ہوتے سب کو رہا کر دیتا۔

مذہب کی طرف بہت غلو تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی کام خلاف شریعت اس کی سلطنت میں نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس نے اسی سلسلہ میں حکم نافذ کر دیا کہ مزاروں پر عورتوں کا جانا اور سالانہ سالار مسعود کی چھڑیاں نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ مولانا مشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ داری اور سیتلا کی پوجا کو بھی اس نے روک دیا تھا۔

اس نے کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ ایک قاری اور ایک جاروب کش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسم سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقررہ رقم غرباء کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔

---

[1] رسول اللہ کی تاریخ رحلت۔

Marfat.com

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر ششماہی پر سلطنت کے تمام غربا رو مساکین کی فہرست پیش کی جائے۔ جب یہ فہرست پیش ہوتی تو وہ ان کو اس قدر روپیہ دیتا کہ ۶ ماہ کے لئے کافی ہو جاتا۔ علاوہ اس کے مختلف شہروں میں مد خیرات کے متعلق بہت سے مہتمم مقرر تھے جو غریبوں اور محتاجوں کا حال معلوم کر کے بادشاہ تک خبر پہونچاتے اور خزانۂ شاہی سے روپیہ لے کر انہیں تقسیم کرتے۔[1]

چونکہ بادشاہ کو اس طرف بہت توجہ تھی اس لئے تمام امرا ارکان خوانین و ملوک نے بھی غربا رو مساکین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے چنانچہ واقعات مشتاقی میں لکھا ہے کہ اس داد دہش کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی فقیر مر جاتا تو اس کے پاس سے کافی دولت نکلتی جو اس کے اعزہ کو دی جاتی اور اگر کوئی عزیز نہ ہوتا تو پھر فقرا کو تقسیم کر دی جاتی۔

اس کے عہد میں زراعت کثرت سے ہوتی تھی۔ چیزیں بہت ارزاں تھیں۔ تاجر بہت خوش حال تھے۔ اور تمام اہل پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ مصروف نظر آتے تھے۔ سلطنت میں کہیں چوروں اور رہزنوں کا پتہ نہ تھا۔ اور قافلے نہایت امن و سکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کو مغربی مورخین نے عام طور سے حد درجہ متعصب ظاہر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مذہب اسلام کا پابند تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوؤں کی

---

[1] تاریخ داؤدی (الیٹ) ۴ — ۴۴۶

Marfat.com

رواداری نہیں کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جو عند اللہ حق ہے وہی کیا جائے۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ اپنے بھائی باربک شاہ سے لڑ رہا تھا ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا "فتح تیری ہو" بادشاہ نے جھنجھلا کر ہاتھ الگ کر لیا اور جواب دیا کہ "دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو فتح دے جو حق پر ہے اور وہی ظہور میں آئے جو بہتر و مناسب ہو"

قبل تخت نشینی کے ایک بار سکندر کو معلوم ہوا کہ تھانیسر میں ایک گاؤں ہے۔ وہاں کے ایک تالاب میں ہندو جمع ہو کر اشنان کرتے ہیں۔ اس نے علماء سے استصواب کیا۔ میاں عبداللہ اجودھنی نے جو بڑے جید عالم تھے کہا کہ:-

"ہندوؤں کے کسی قدیم معبد کو غارت کرنا یا ان کی کسی مذہبی رسم سے تعرض کرنا مناسب نہیں ہے"

سکندر نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا اور اپنے خیال سے باز آگیا[۱] وہ ان تمام صفات کے ساتھ علم دوست بھی اس درجہ کا تھا کہ اس کے عہد میں آگرہ (جو اس کا دارالحکومت تھا) علماء و فضلاء مشائخ و صوفیہ شعراء و ادباء کا مرکز ہو گیا تھا۔ فارس و عرب۔ ہند و بخارا کے تمام صاحبان کمال کھنچ کھنچ کر آگرہ چلے آ رہے تھے اور بادشاہ کی فیاضیوں سے مالا مال نظر آتے تھے۔

مذہبی مباحث کا اُسے بہت شوق تھا۔ اور اکثر علماء کو جمع کر کے وہ

---

[۱] تاریخ فرشتہ ۱۸۱۔ تاریخ داؤدی (ایلیٹ) ۴ - ۴۳۹ -

Marfat.com

ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ ایک بار جب بودھن نامی ایک برہمن نے یہ دعوے کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں تو سکندر شاہ نے بہت سے مقتدر علماء کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔

شعر و سخن کا بھی اسے ذوق تھا گل رخ اس کا تخلص تھا کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔[۵۲] اور شیخ جمال کنبوہ[۵۳] سے جو بڑے پایہ کا شاعر تھا اصلاح لیا کرتا تھا۔

اس کی صحبت میں علماء کے ساتھ شعراء بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈونگر برہمن بھی تھا جو عربی و فارسی کا عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھا تھا۔

ملائے بدایونی، عہد سکندری کے بعض مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے فاضل تھے جب ملتان تباہ ہوا تو دہلی کی طرف آئے اور چالیس علماء (مثلاً جمال خاں دہلوی، شیخ لودی، سید جلال الدین بدایونی وغیرہ) شیخ عبداللہ کی درسگاہ سے نکل کر اشاعت علوم کا باعث ہوئے ہندوستان میں علوم معقولی کا رواج شیخ عبداللہ

---

[۵۱] ان علماء کی فہرست حسب روایات فرشتہ

[۵۲] ملائے بدایونی نے یہ غزل اسکی منتخب التواریخ میں درج کی ہے۔

[۵۳] عہد سکندر شاہ میں شیخ جمال بڑا مشہور شاعر تھا۔ اور بادشاہ اس سے بہت مانوس تھا اور مشورہ بھی لیا کرتا تھا۔ شیخ جمال کا یہ ایک شعر فرشتہ اور ملائے بدایونی نے نقل کیا

Marfat.com

کے وقت سے ہوا ورنہ اس سے قبل علم منطق وکلام میں صرف شرح شمسیہ اور شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں۔

سکندر شاہ مولانا شیخ عبداللہ کا صد درجہ احترام کرتا تھا جب کبھی درس کے وقت پہونچتا تو پوشیدہ طور سے کسی کونہ میں جاکر بیٹھ جاتا تاکہ درس وتدریس میں ہرج واقع نہ ہو۔ جب وہ فارغ ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا۔

شیخ عزیزاللہ کے استحضار علوم کا یہ حال تھا کہ مشکل سے مشکل کتاب بانی پڑھاتے تھے۔ انہیں کے شاگردوں میں میاں قاسم سنبھلی تھے۔

اسی عصر کے ایک اور زبردست عالم الہ دیا بھی تھے جنہوں نے ہدایہ کی شرح کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر مدارک پر ان کے حواشی اور شرح کافیہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی یہ تمام کتابیں درسیات میں داخل تھیں۔

ایک بار سلطان سکندر نے تمام علماء کو جمع کر کے ایک جانب شیخ عبداللہ[1] اور شیخ عزیز کو، دوسرے جانب شیخ الہ دیا اور ان کے بیٹے بھکاری کو کر کے مباحثہ سنا اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں تقریر میں اور یہ دونوں تحریر میں اپنا جواب نہیں رکھتے[2]

الغرض سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہوا کرتا تھا۔ اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں

---

[1] شیخ عبداللہ کا انتقال ۹۲۲ھ میں ہوا ہے۔ [2] منتخب التواریخ۔ ۸۶۔

Marfat.com

نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کئے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کافی تعلقات قائم ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان کو نہایت شوق سے حاصل کرتے تھے۔ مسٹر بلاک مین کلکتہ ریویو میں ظاہر کرتے ہیں کہ "ہندوؤں نے سولہویں صدی عیسوی سے فارسی کی طرف ایسی توجہ کی کہ ایک صدی گزرنے سے قبل وہ اس زبان میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں زیادہ اتحاد پیدا ہو گیا تھا اور دوسرے یہ کہ سکندر لودی نے قصداً ہندوؤں میں یہ مذاق پیدا کیا تاکہ انہیں سلطنت میں انتظامی عہدے دئے جائیں چنانچہ جب فارسی خواں ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اس نے پہلے برہمنوں سے درخواست کی کہ فارسی سیکھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو چھتریوں سے کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اہل سیف اہل قلم بننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد ویش طبقہ کو توجہ دلائی گئی لیکن اس نے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ آخرکار کایستھوں نے اسے قبول کیا اور قلیل زمانہ میں ایسی دستگاہ حاصل کرلی کہ وہ مسلمانوں کے علوم کا درس دینے لگے اور سلطنت میں بڑے بڑے عہدے ان کو ملے۔

سلطان سکندر کے عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت کچھ شامل تھا۔ تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ ارکر مہا ویدک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی

مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندری کے نام سے ترجمہ کی گئی اور بعد کو اطباء ہند نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

بادشاہ کو دیگر فنون و صناعات کے علاوہ جن کے کارخانہ کثرت سے قائم تھے موسیقی کا بھی بہت ذوق تھا۔ وہ دربار عام میں تو کبھی گانا سننا پسند نہ کرتا تھا لیکن تنہائی میں اہل موسیقی کو اپنا کمال ظاہر کرنے کی اجازت دیتا۔ اس وقت صرف سید رفیع الدین اللہ اور سید ابن رسول جو مقربان خصوصی میں سے تھے، اس کے خیمہ کے قریب ہوتے اسے سُرنا اور شہنائی کا بھی شوق تھا جو دربار میں ۹ بجے شب تک بجائی جاتی تھی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ صرف چار راگنیاں مالی کور (غالباً مالکوس) کلیان۔ کانڑا اور حسینی بجائی جائیں۔

عمارات کی طرف بھی اسے خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مہم بلکھانات سے کامیاب واپس آیا تو اس نے حکم دیا کہ دارالحکومت آگرہ سے لے کر دھولپور تک جا بجا باغات اور مکانات تعمیر کرائے جائیں تاکہ شکار سے واپس آنے کے بعد یہاں توقف کیا جائے[۱]

پھر علاوہ اس کے خود آگرہ کی رونق و ترقی جس کو اس نے ایک معمولی گاؤں سے بڑے شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے ذوقِ تعمیر آرائش شہر و امور رفاہ عام کا کافی ثبوت ہے۔

یہ خصوصیت بھی اسی بادشاہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے عہد میں ایسے ایسے

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۸۵۔

Marfat.com

امراء گزرے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائل و عادات اپنے اخلاق و شائستگی، اپنے علم پرستی و ہنر پروری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں بعض امراء کے مفصل حالات درج ہیں۔

ان میں سے خاص امراء یہ تھے:۔ اسد خاں ابن مبارک خاں یوسف خلیل۔ خان جہاں لودی جسے مسند علی حسین خاں کہتے تھے۔ میاں زین الدین۔ خواص خاں اور میاں معروف فرلی۔

ان کے حالات دیکھنے سے (جو مختصراً ہم نے فٹ نوٹ میں درج کر دئے ہیں) ایک شخص اچھی طرح معلوم کر سکتا ہے کہ سکندر لودی کا عہد کیسا عجیب و غریب عہد تھا اور امراء و ارکین سلطنت پر خود اس کی سیرت کا کیسا زبردست اثر پڑا تھا۔

عہدِ سلطان سکندر کے خاص واقعات میں زلزلہ آگرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ سنہ ۹۱۱ھ ۳ ماہ صفر کو تمام ہندوستان میں آیا تھا یہ اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس میں جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ تمام مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

جب بادشاہ بیمار ہوا اور اس نے خیال کیا کہ شاید وہ زندہ نہ رہیگا تو اس نے اپنے مشیر مذہبی شیخ لادن دانشمند سے پوچھا کہ قضائے نماز۔ ترک صیام۔ شراب خوری وغیرہ کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے۔ شیخ نے

Marfat.com

تفصیل لکھ کر بھیجدی۔ سلطان نے وقائع نگار سے دریافت کیا کہ اس قسم کے گناہ مجھ سے کتنی مرتبہ سرزد ہوئے ہیں جب اس نے بھی تفصیل لکھ دی تو بادشاہ نے حساب لگا کر حکم دیا کہ اس قدر سونا غربار کو دیا جائے لیکن خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ نہ لیا جائے۔ علماء کو اس پر حیرت ہوئی۔ بادشاہ کے پاس سلاطین وامراء کی طرف سے جو تحائف آتے تھے وہ علیحدہ رکھے جاتے تھے اور ان کا سالانہ حساب تیار ہوتا تھا۔

بادشاہ کا مرض بڑھتا جاتا تھا لیکن وہ امور سلطنت سے غافل نہ تھا اور برابر اپنے فرائض انجام دیتا جاتا تھا آخر کار، رذی قعدہ سنہ ۹۲۳ھ (نومبر ۱۵۱۷ء) کو اس نے انتقال کیا۔

تاریخ خان جہاں لودی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو اس کا جنازہ دہلی گیا اور وہاں ایک باغ میں مدفون ہوا۔

Marfat.com

سلطان ابراہیم

۹۲۳ھ سے ۹۳۲ھ تک
۱۵۱۷ء ۱۵۲۶ء

سلطان سکندر لودی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے، بڑے کا نام ابراہیم تھا۔ اور چھوٹے کا نام جلال خاں تھا۔

چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امرار کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا۔ اس لئے دہلی کا فرمانروا بنا کے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں ہندوستان کی سلطنت چغتائیہ تیموریہ خاندان میں منتقل کردی۔

سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک سلطنت کی (جس کو فرشتہ نے خدا جانے کس حساب سے بیس سال تحریر کیا ہے) اور اس کے دوران حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ارزانی ہے۔

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ سلطان بہرام کے عہد میں غلہ، کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ارزاں تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہیں آئیں۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو ارزانی تھی وہ جبر و سختی سے

پیدا ہوئی تھی لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ارزاں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

سکندر لودی کے وقت میں بھی ارزانی بہت تھی لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بہلولی سکہ[1] کا دس من غلہ آتا تھا۔ پانچ سیر گھی۔ اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بہلولی تھی۔

علاوہ ان کے اور تمام اشیاء کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بارش کی موزونی سے وہ چند غلہ پیدا ہونے لگا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجائے روپیہ کے غلہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اپنے اقطاع کا غلہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔ ایک معزز آدمی معہ اپنے خاندان کے پانچ تنکہ ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اگر کوئی سوار[2] دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بہلولی سکہ اس کے، اس کے گھوڑے اور سائیس کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا[3]

---

[1] تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر۔

[2] سوار کی تنخواہ بیس سے تیس تنکہ تک تھی اور اس سے اس عہد کی خوشحالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

[3] تاریخ داؤدی (ایسٹ) (اسلامی ہند) ۔ ۴ ۔ ۴۷۵ ۔ ۴۷۶ ۔

Marfat.com

عہد سکندر لودھی کا دور علمی

فیروز شاہ تغلق کے بعد تیموری یلغار نے اسلامی حکمرانی کی جو حالت کردی تھی وہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی علمی اداروں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ مگر سیدوں کے دور میں کچھ سازگار حالات رونما ہوئے۔ سیاسی حالات نے بھی تبدیلی اختیار کی۔ نئے سرے سے عدل وانصاف کا دور شروع ہوا۔ رعایا فارغ البال نظر آنے لگی۔ سکندر نے جو تیموری تہذیب طوفان سے نقصان ملک کو پہونچا تھا اس کی تلافی کی طرف توجہ کی۔ اس کی علمی سرپرستی اور شاہانہ فیاضی نے علم وادب کے مردہ قالب میں ازسرنو روح پھونک کر اس وقت کے محو شدہ علوم و فنون کو اس قدر فروغ دیا کہ علم وادب کا جابجا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی اسلامی لسانیات وادبیات میں دلچسپی لینے لگے۔ طبقات اکبری میں ہے :۔

"درعہد فرخندہ او علم رواج یافت و امرازادگان دولت و سپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند و ہندوان بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زمان درمیان ایشان معمول نبود پرداختند" (طبقات اکبرشاہی صفحہ ۱۷۱)

حتیٰ کہ ہندوؤں میں فارسی زبان سے اتنا لگاؤ ہوگیا کہ فارسی میں شعر کہنے لگے چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے کہ ایک برہمن جس کا نام ڈونگرمل

Marfat.com

تھا۔ کہا ہے ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر

رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

سکندر طبعاً شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کرتا تھا۔ منتخب میں ہے کہ:۔

"خود ہم صاحب طبع بود وگاہ گاہے نظمے بہ تخلص گلرخ

زبان روش قدیم ہندوستانیانہ میگفت وصحبت او بشیخ

جمال الدین رہگذر خوش برآمدہ بود" ؎[1]

سرو یکہ سخن پیرہن وگل بدنستش

روحیست مجسم کہ دراں پیرہنستش

گلرخ چہ کند جوہر دندان نزا وصف

ہم چو درِ سیراب سخن در دہنستش ؎[2]

سکندر علماء و فضلاء کی حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرتا تھا مصنف

تاریخ داؤدی لکھتا ہے:۔

"در زمان سلطنت او اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب و

عجم ما از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او بدہلی و آگرہ آمدہ

توطن مے کردند" ؎[3]

اخبار الاخبار میں ہے:۔

؎[1] منتخب صفحہ ۸۶ مطبوعہ نول کشور۔ ؎[2] منتخب التواریخ صفحہ ۸۶۔

؎[3] تاریخ داؤدی ورق ۳۸۔

Marfat.com

"زمان دولت سکندر زمان صلاح و تقویٰ دیانت و امانت و حلم و وقار داد و را با علماء و صلحاء روا کاپروا اشراف میلے عظیم شد و لہذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بسابقہ استدعاد طلب و بعضے بے آن در عہد دولت او تشریف آوردہ و توطن این دیار را اختیار کردند۔ بالحقیقت محامد زمان سلطنت آن سلطان سعادت نشان از حد تقریر و تحریر خارج است۔"

علمائے عصر

شیخ جمالی حامد بن فضل اللہ خاں اصلی نام جلال خاں کنبو شیخ سماء الدین کے مرید تھے صاحب تصانیف ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین۔ مثنوی مہر و ماہ۔ دیوان یادگار سے ہیں۔ شیخ الہ دیا جونپوری ان کے فرزند شیخ بھکاری۔ شیخ عبداللہ طلبنی اور عزیز اللہ یہ دربار سکندر سے تعلق رکھتے تھے۔ باہمی سکندر ان سے علمی مناظرہ کراتا تھا۔

شیخ عبداللہ طلبنی بن شیخ اللہ داد عثمانی معقول شخص تھا[1] طلبہ (ملتان) میں اصحاب درس تھا۔ اس نے دلی آکر علم معقول کو فروغ دیا میاں لادن۔ جمال خاں میاں شیخ میراں۔ سید جلال الدین بدایونی

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔ بدیع المیزان شرح میزان منطق تصنیف سے ہیں۔

Marfat.com

ارشد تلامذہ سے تھے[1] ۹۲۲ھ میں انتقال کیا۔

شاہ جلال شیرازی مصنف گلشن راز۔ شیخ رزق اللہ دہلوی شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا فاضل خداشناس بزرگ تھے ہندی میں راجن ۹۸ھ میں وصال ہوا۔ ہندی میں دو رسالہ پیم آہن اور جوت نرنجن مشہور ہیں۔

شیخ عبدالوہاب بن سید احمد بخاری سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے۔ ملتان سے حجاز حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ واپس دہلی ہوئے۔ سکندر ان کا معتقد ہوگیا۔ ۹۳۲ھ میں وفات پائی۔ ایک تفسیر دقائق عشق یادگار سے ہے۔

شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ ملتان سے بہار ان کے والد چلے گئے وہاں یہ پیدا ہوئے پھر جونپور رہے۔ علوم حاصل کئے۔ پھر سکندر کی استدعا پر آگرہ آگئے۔ ۹۰۹ھ میں انتقال کیا۔ مفتاح الفیض تصنیف ہے۔

میاں بھوخواص خاں کے فرزند امرار سکندری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ میر عدل۔ صاحب خاص بھی رہے۔ سکندر ان کو بہت چاہتا تھا۔ فاضل حامل تھے۔ معدن الشفا طب سکندری تصنیف کی ابراہیم نے مروا ڈالا۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۸۶۔

محمد بن شیخ ضیاء۔ تحفۃ السعادت یا فرہنگ سکندری تصنیف
ہے۔ یہ کتاب ۹۱۶ھ میں مکمل ہوئی۔

ختم شد

Marfat.com

تاریخِ اسلام کا مکمل کورس

تاریخ ملّت کے بقیّہ حصّے

تاریخ اسلام کا یہ مفید سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام وخواص ہو چکا ہے، مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت واختصار اسکی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپکو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملینگی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔

جلد اوّل: نبی عربی (مؤلفہ قاضی زین العابدین میرٹھی) ۸ر عہ

جلد دوم: خلافت راشدہ " " " " ۸ر ہے

جلد سوم: خلافت بنی امیہ " " " " ۸ر ہے

جلد چہارم: خلافت ہسپانیہ (مؤلفہ مفتی انتظام اللہ شہابی) [illegible]ر

جلد پنجم: خلافت عباسیہ (حصہ اوّل) " " " " ۱۲ر ہے

جلد ششم: خلافت عباسیہ (حصہ دوم) " " " " ۱۲ر للعہ

جلد ہفتم: تاریخ مصر " " " " ۴ر ہے

جلد ہشتم: خلافت عثمانیہ " " " " ۴ر ہے

جلد نہم: تاریخ صقلیہ (سسلی) " " ۱۲ر عہ

مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی

Marfat.com

نعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر بہزادؔ لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دل پذیر مجموعہ جسے مکتبہ برہان نے تمام ظاہری دل آویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقعہ ملا ہے وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۲ ؍

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

"بین الاقوامی سیاسی معلومات" میں سیاسیات میں استعمال ہونے والی تمام اصطلاحوں، قوموں کے درمیان سیاسی معاہدوں، بین الاقوامی شخصیتوں اور تمام قوموں اور ملکوں کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کو نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسکولوں، لائبریریوں اور اخباروں کے دفتروں میں رہنے کے لائق ہے، جلد اول جدید ایڈیشن جس میں سینکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ۸ ؍ (آٹھ روپے)

منیجر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی